ان الله یامر بالعدل والاحسان

سنہرے فیصلے

دورِ نبوت، خلافتِ راشدہ اور تاریخِ اسلام میں
عدل وانصاف کے درخشندہ واقعات

عبدالمالک مجاہد

دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مجاهد، عبدالمالك
القضايا الذهبية. / عبدالمالك مجاهد - الرياض، ١٤٢٧ هـ
ص: ٣٠٨ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٧-٩-٩٧١٥-٩٩٦٠
(النص باللغة الاردية)
١- المحاكمات ٢- الاحكام الشرعية أ. العنوان
ديوي ٣٤٨،٠٤ ١٤٢٧/٧٨٩
رقم الإيداع: ١٤٢٧/٧٨٩
ردمك: ٧-٩-٩٧١٥-٩٩٦٠

پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: riyadh@dar-us-salam.com - darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com
العليا: فون 4614483 فیکس: 4644945 **الملز:** فون 4735220 فیکس 4735221
السويلم: 2860422 فیکس: 2860422

دارالسلام	فون	فیکس
جده	00966-2-6879254	6336270
مدينه منوره	00966-503417155	8151121
خميس مشيط	00966-7-2207055	0500710328
الخُبر	00966-3-8692900	8691551
شارجه	00971-6-5632623	5632624
لاهور، پاكستان	0092-42-7240024	7354072
اسلام آباد، پاكستان	0092-051-2500237	2500237
كراچى، پاكستان	0092-21-4393936	4393937
لندن	0044 20 8539 4885	20 8539 4889
نيويارک	001-718-6255925	718-625 1511
هوستن	001-713-7220419	7220431
ملائيشيا	00603-77109750	77100749

سنہرے فیصلے

دورِ نبوت، خلافتِ راشدہ اور تاریخِ اسلام میں
عدل وانصاف کے درخشندہ واقعات

تالیف
عبدالمالک مجاہد

فہرست

سنہرے فیصلے

سنہرے فیصلے

عرضِ مؤلف

اسلام دینِ فطرت ہے، اس میں جن اصولوں پر انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی گئی ہے ان میں عدل و انصاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا عدل کرنے، انصاف کی گواہی دینے اور حق کے ساتھ فیصلے کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾

''اور اگر آپ ان لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''(1)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے حق پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔''(2)

سورۃ الشوریٰ میں عدل کرنے کا حکم یوں دیا گیا ہے:

﴿ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ﴾

''اور کہہ دیجیے! اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل کروں۔''(3)

---

(1) المائدہ 5/42:5 (2) المائدہ 8/5:8 (3) الشوریٰ 42/15:42

سورۃ النحل میں عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾

"بے شک اللہ عدل واحسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"(1)

قرآن مجید کی سورۃ صٓ میں جہاں اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت داود علیہ السلام کو خلافتِ ارضی عطا ہونے کا ذکر ہوا، وہاں انھیں لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کرنے اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنے کی تلقین بھی کی گئی۔ (صٓ:26)

اور دوسری جگہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرنے والوں کو کفر، ظلم اور فسق کے مرتکب ٹھہرایا گیا ہے۔ (المائدہ: 44، 45، 47)

ان آیاتِ قرآنی سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حاکمِ وقت، قاضی یا ثالث کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر معاملے میں عدل، انصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے اور اس میں ذاتی پسند وناپسند کو ملحوظ خاطر نہ رکھے اور نہ غصے میں کوئی فیصلہ کرے، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن مقیم سجستان کو لکھا کہ "تم فریقین میں غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ» (کوئی حکم (ثالث یا قاضی) دو فریقوں میں فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ غصے میں ہو۔)(2)

خاتم النّبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حکمرانِ وقت اور قاضی بھی تھے، چنانچہ دربارِ رسالت سے مختلف مواقع پر جو فیصلے صادر ہوئے وہ حق وانصاف کی روشن مثالیں ہیں، پھر خلفائے راشدین یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو فیصلے دیے وہ بھی کامل عدل وانصاف پر مبنی تھے اور تاریخ انسانی میں ان کی نظیر نہیں ملتی،

(1) النحل:16/90

(2) صحیح البخاری، الاحکام، باب ھل یقضی القاضی اویفتی وھو غضبان؟، ح:7158

بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے نادر فیصلے ان کی بے پناہ ذہانت و فراست پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر قاضی شریح، قاضی ایاس، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہم، قاضی شریک، قاضی ابوحازم، قاضی ابویوسف، قاضی منذر بن سعید اور دیگر نامور قضاۃ نے مسند قضا سے ایسے ایسے شاندار فیصلے کیے کہ وہ تاریخ حق وصداقت کا جھومر ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے بعد آنے والے خلفاء اور حکمران بھی اپنے فیصلوں سے عدل وانصاف کی لازوال داستانیں رقم کر گئے۔

''سنہرے فیصلے'' کے عنوان سے زیرِ نظر کتاب میں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نامور مسلم حکمرانوں اور قاضیانِ کرام کے وہ فیصلے شامل کیے ہیں جن سے دنیا میں عدل وانصاف کی سنہری روایات قائم ہوئی ہیں اور آنے والے حکمرانوں، قاضیوں اور ججوں کو ان سے گرانقدر رہنمائی ملتی ہے۔ ان تابندہ روایات اور واقعات کو اس لیے بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں صالح اقدار پھر سے فروغ پائیں اور اس وقت بعض اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان میں غصب ونہب، لوٹ کھسوٹ اور ظلم وعدوان کا جو دور دورہ ہے اس سے قوم کو نجات ملے اور وہ اسلام کی برکات سے کماحقہ فیضیاب ہو سکے۔

ہم نے اس کتاب میں مستند اور مصدّقہ واقعاتِ عدل وانصاف جمع کر دیے ہیں۔ زبان سلیس اور طرزِ بیان مکالماتی اور دل نشین ہے۔ زیادہ تر واقعات عہدِ رسالت، خلفائے اسلام اور سلاطینِ عظام کے لیے گئے ہیں۔ حوالوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ دارالسلام، لاہور کے فاضل محقق محسن فارانی نے مناسب ترمیم وتصحیح کے علاوہ واقعات کے آخر میں شخصیات کا مختصر تعارف بھی شامل کر دیا ہے جس سے کتاب کی علمی افادیت دوچند ہو گئی ہے۔ بیشتر واقعات عربی کتب سے لیے گئے ہیں۔ میں دارالسلام ریاض کے بھائی رضوان اللہ ریاضی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے

مسودوں کی ترتیب، بعض مقالات کے ترجمہ اور تصحیح میں میرے ساتھ تعاون کیا۔ نیز ہماری علمی کمیٹی کے مسئول قاری محمد اقبال عبدالعزیز بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کتاب کا آخری مراجعہ کیا اور بہت سی مفید اصلاحات کا اہتمام کیا۔ علاوہ ازیں دارالسلام کے جن رفقاء نے اس کتاب کی کمپوزنگ، تصحیح اور تیاری میں حصہ لیا، ان سب کی کاوشوں پر میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا گو ہوں۔

''سنہرے فیصلے'' میرے سفر وحضر کے کئی سال کے مطالعے کا نچوڑ ہیں۔ ان سے ہمارے اربابِ اختیار اور عدلیہ کے ذمہ داران ٹھیک رہنمائی لیں اور حق وصداقت کے ساتھ بے لاگ فیصلے دیں اور اگر ان کے نتیجے میں معاشرے سے ظلم وطُغیان کے خاتمے میں مدد ملے اور عوام اسلام کے انفرادی واجتماعی عدل کی برکتوں سے مستفید ہونے لگیں تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت بارآور ہوئی۔

دارالسلام ایک دینی مشن کا نام ہے اور اس کی تمام مطبوعات بنی نوع انسان کو اسلام کی سچی اور روح پرور تعلیمات سے آشنا کرنے اور دنیا میں نیکی، بھلائی اور صداقت کو فروغ دینے کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ''سنہرے فیصلے'' بھی اسی حیات افروز مطبوعاتی سلسلے کی تازہ ترین کڑی ہے۔ امید ہے قارئین اور اہل فکر ونظر اس کے مطالعے سے اپنی زندگی اور معاشرے میں بہتری لانے کی سعی کریں گے تاکہ ان کی اپنی اور دوسروں کی دینوی اور اخروی نجات کا سامان ہو سکے۔

عبدالمالک مجاہد

ریاض، سعودی عرب۔ فروری 2006ء

آخر تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو؟

امام زہری (1) عمارہ بن خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی (بدو) سے گھوڑا خریدا اور اس سے جلدی چلنے کو کہا تا کہ آپ گھر پہنچ کر اس کی قیمت ادا کر دیں۔ پھر نبی کریم ﷺ جلدی جلدی آگے بڑھ گئے جبکہ بدو پیچھے رہ گیا۔ راستے میں لوگ بدو کے پاس آتے اور اس کے گھوڑے کی قیمت لگاتے۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ گھوڑا خرید لیا ہے۔ ایک آدمی نے گھوڑے کی قیمت رسول اکرم ﷺ کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ لگائی، چنانچہ بدو نے زور سے چلا کر رسول اکرم ﷺ کو آواز دی اور کہا:

«إِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هٰذَا الْفَرَسَ فَابْتَعْهُ وَإِلاَّ بِعْتُهُ»

''اگر آپ کو یہ گھوڑا خریدنا ہے تو خرید لیں ورنہ میں اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ دوں گا۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «أَوَ لَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟»

''کیا میں نے تجھ سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا ہے؟''

اعرابی نے کہا: نہیں نہیں، ابھی بیع مکمل نہیں ہوئی ہے۔

پھر اعرابی اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان بحث ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر لوگ ان کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ اعرابی کہنے لگا:

«هَلُمَّ شَهِيدًا يَشْهَدُ أَنِّي قَدْ بَايَعْتُكَ؟»

''آپ اس بات پر کوئی گواہ پیش کریں کہ واقعی میں نے آپ کے ہاتھ اپنا گھوڑا بیچ دیا ہے۔''

جو مسلمان بھی ان کی گفتگو سن کر وہاں آتا وہ بدو سے کہتا: تیرا ناس ہو! کیوں ضد کرتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے ساتھ بحث ومباحثہ کر رہا ہے، کیا رسول اکرم ﷺ حق کے خلاف بھی کوئی بات کریں گے؟! اسی دوران حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ (2) وہاں آن پہنچے۔ جب انھوں نے رسول اکرم اور اعرابی کے درمیان بحث اور بدو کا یہ قول سنا کہ ''آپ اس بات پر کوئی گواہ پیش کریں کہ واقعی میں نے آپ کے ہاتھ اپنا گھوڑا بیچ دیا ہے؟'' تو وہ کہنے لگے: «أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ!»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً تو نے اپنا گھوڑا رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے!''

یہ سننا تھا کہ رسول اکرم ﷺ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

«بِمَ تَشْهَدُ؟»

''آخر تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو (جب کہ گھوڑے کی خرید وفروخت کے وقت تم ہمارے پاس موجود نہ تھے)؟''

خزیمہ بن ثابت نے عرض کیا: «بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللهِ»

''اے اللہ کے رسول! آپ کی تصدیق کی بنیاد پر میں نے یہ گواہی دی ہے''۔

«فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ»

''چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔''

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے خزیمہ بن ثابت سے دریافت فرمایا: «لِمَ تَشْهَدُ وَلَمْ تَكُنْ مَعَنَا؟»

''آخر تم کس بنیاد پر گواہی دے رہے ہو جبکہ تم ہمارے ساتھ نہیں تھے؟''

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا أُصَدِّقُكَ بِخَبَرِ السَّمَاءِ أَفَلاَ أُصَدِّقُكَ بِمَا تَقُولُ؟»

''اے اللہ کے رسول! آپ جب آسمان کی خبریں (وحی) سناتے ہیں تو میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، پھر کیا میں آپ کے قول کی تصدیق نہیں کروں گا؟!''(3)

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ عرش پر مستوی بلند و بالا ہستی جب فرش پر مقیم سرورِ کائنات کے پاس اپنے خصوصی نمائندہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے کوئی وحی بھیجتی ہے جس میں ماضی کی تاریخ اور مستقبل کی پیش گوئیاں ہوتی ہیں، تو ہم (صحابہ کرام) بلاچون وچرا قبول کر لیتے ہیں اور آپ کی تصدیق کر کے پوری بات مِن وعَن تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس خرید وفروخت میں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق نہ کروں؟!

---

(1) محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ الاصغر بن شہاب قریش کے قبیلہ بنو زہرہ کی نسبت سے امام ابن شہاب زہری کے نام سے معروف ہیں۔ وہ 50ھ یا 51ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا عبد اللہ الاصغر رضی اللہ عنہ ابتدا میں اسلام کے مخالف تھے مگر بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا شمار اکابر حفاظ حدیث اور فقہاء میں ہوتا ہے۔ خلیفہ یزید ثانی نے انھیں قاضی کے منصب پر مامور کیا۔ وہ خلیفہ ہشام کے بچوں کے اتالیق بھی رہے۔ امام زہری 124ھ میں انتقال کر گئے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ ج 10 ص 524-525)

(2) خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ وہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے وقت اوسی قبیلہ حطمہ کا جھنڈا حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور جنگ صفین (37ھ) میں شہادت پائی۔ (اسد الغابہ ج 2 ص 170)

اس واقعے کے راوی عمارہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے۔

(3) ابوداود: کتاب الأقضیة 3607 و مسند احمد: 215/5

بروقت فیصلہ

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (1) مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس سے ایک آدمی کا گزر ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا:

«وَيْلٌ لَكَ يَا عُمَرُ مِنَ النَّارِ»

''اے عمر! تمھارے لیے جہنم کا ویل ہے۔''

امیر المومنین نے حاضرین سے فرمایا: اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔

جب وہ آیا تو آپ نے پوچھا: تم نے یہ بات کیوں کہی ہے؟

وہ کہنے لگا: آپ اپنے حکام کو مقرر کرتے وقت ان سے شرائط قبول تو کرواتے ہیں مگر ان کا محاسبہ نہیں کرتے کہ انھوں نے شرائط پوری کی ہیں یا نہیں؟

امیر المومنین نے پوچھا: بات کیا ہے؟

وہ کہنے لگا: مصر میں آپ کا جو حاکم ہے، اس نے آپ کی شرائط کو فراموش کر کے ان باتوں کا ارتکاب کیا ہے جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

اس طرح اس نے امیر المومنین کو مصر کے حاکم کی خلاف ورزیوں کے متعلق بہت کچھ بتایا۔

یہ شکایات سننے کے بعد امیر المومنین نے قبیلہ انصار کے دو آدمیوں کو بغرض تفتیش مصر روانہ کیا اور ان سے فرمایا: تم دونوں مصر جاؤ اور حاکم کے متعلق وہاں کے لوگوں سے استفسار کرو۔ اگر اس آدمی نے مجھے غلط رپورٹ دی ہو تو آگاہ کرنا' اور اگر اس کی رپورٹ صحیح ہے اور حاکم واقعی اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتا ہے تو وقت ضائع کیے بغیر اسے لے کر میری خدمت میں پہنچو۔

دونوں انصاری امیر المومنین کے حکم کی تعمیل میں مصر روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر لوگوں سے حاکم مصر کے متعلق حقیقت جاننی چاہی۔ انھیں وہاں وہی رپورٹ ملی جیسے مذکورہ شخص نے امیر المومنین سے شکایت کی تھی، چنانچہ ان دونوں نے حاکم کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ دربان نے جواب دیا:
«إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ الْيَوْمَ إِذْنٌ» ''آج حاکم سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔''
دونوں انصاریوں نے کہا: «لَيَخْرُجَنَّ عَلَيْنَا أَوْ لَنُحْرِقَنَّ بَابَهُ»
''حاکم کو ہمارے سامنے ضرور نکلنا پڑے گا ورنہ ہم ابھی اس کا دروازہ پھونک دیں گے۔''

اتنے میں ایک انصاری جلدی سے کہیں سے آگ کا شعلہ بھی لے کر آ گیا۔
دربان اندر داخل ہوا اور حاکم مصر کو اس کی خبر دی۔ حاکم گھر سے باہر نکلا تو ان دونوں نے کہا: ہم امیر المومنین کا پیغام لے کر آئے ہیں، تمھیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔

حاکم نے کہا: میری ایک ضرورت ہے، تھوڑی دیر کے لیے مہلت دو تاکہ تیاری کر لوں۔

انھوں نے کہا: امیر المومنین نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تمھیں ایک پل کی بھی مہلت نہ دی جائے۔

جب وہ دونوں حاکمِ مصر کو لے کر مدینہ منورہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو اس نے سلام کیا مگر امیر المومنین نے اسے نہیں پہچانا کیونکہ اس کی ہیئت پہلے سے بہت بدل چکی تھی۔ وہ مصر کا حاکم بن کر جانے سے قبل گندمی رنگ کا انسان تھا مگر جب مصر کی سرسبزی و شادابی اس کو راس آئی تو وہ گورا چٹا اور بھاری بھرکم

انسان بن چکا تھا، اس لیے امیر المومنین نے تعجب سے پوچھا: تم کون ہو؟

اس نے عرض کیا: میں فلاں آدمی ہوں جس کو آپ نے مصر کا حاکم مقرر کیا تھا۔

امیر المومنین نے فرمایا:

«وَيْحَكَ ! رَكِبْتَ مَا نُهِيتَ عَنْهُ وَتَرَكْتَ مَا أُمِرْتَ بِهِ ،وَاللهِ! لأُعَاقِبَنَّكَ عُقُوبَةً أُبْلِغُ إِلَيْكَ فِيهَا»

''تیرا ناس ہو! جس بات سے تجھے منع کیا گیا تھا اس کو تو نے گلے لگا لیا مگر جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس کو فراموش کر بیٹھا۔ اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور عبرتناک سزا دوں گا''۔

پھر امیر المومنین نے اون کا ایک پھٹا ہوا لباس، ایک لاٹھی اور صدقے میں آئی ہوئی تین سو بکریاں منگوائیں اور اس (حاکم مصر) سے فرمایا: یہ لباس زیب تن کرو، میں نے تمھارے باپ کو اس سے بھی ردی لباس پہنے ہوئے دیکھا۔ یہ لاٹھی اٹھاؤ جو تمھارے باپ کی لاٹھی سے کہیں بہتر ہے اور فلاں چراگاہ میں جا کر ان بکریوں کو چراؤ۔ اس وقت سخت گرمی کا زمانہ تھا۔

امیر المومنین نے مزید فرمایا:

«وَلاَ تَمْنَعُ السَّابِلَةَ مِنْ أَلْبَانِهَا شَيْئًا إِلاَّ آلَ عُمَرَ، فَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْ آلِ عُمَرَ أَصَابَ مِنْ أَلْبَانِ غَنَمِ الصَّدَقَةِ وَلُحُومِهَا شَيْئًا»

''اور تم راہ گزرنے والوں کو ان بکریوں کا دودھ پینے سے مت روکو، صرف عمر کے گھرانے والوں کو روکنا، کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ عمر کے گھرانے والوں نے کبھی صدقے کی بکریوں کے دودھ یا گوشت میں سے کچھ استعمال کیا ہو''

جب وہ آدمی (حاکم مصر) واپس ہوا تو امیر المومنین نے اسے بلایا اور پوچھا: جو کچھ میں نے کہا ہے، سمجھے یا نہیں؟ وہ فوراً زمین پر گر گیا اور کہنے لگا:

«یَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا أَسْتَطِيعُ هٰذَا، فَإِنْ شِئْتَ فَاضْرِبْ عُنُقِي»

"اے امیر المومنین! یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا، چاہے آپ میری گردن اڑا دیں۔"

امیر المومنین نے فرمایا: «فَإِنْ رَدَدْتُكَ فَأَيَّ رَجُلٍ تَكُونُ؟»

"اگر میں نے تمھیں گزشتہ منصب پر بحال کر دیا تو پھر تم کس طرح کے آدمی ہو گے؟"

وہ کہنے لگا: «وَاللهِ! لَا يَبْلُغُكَ بَعْدَهَا إِلَّا مَا تُحِبُّ»

"اللہ کی قسم! اب اس کے بعد آپ کو وہی رپورٹ پہنچے گی جو آپ پسند کریں گے۔"

پھر امیر المومنین نے اسے اس کے سابقہ عہدے پر فائز کر دیا؛ چنانچہ اس کے بعد وہ آدمی مصر کا ایک مثالی حاکم ہو گیا اور اپنی ذمہ داریاں خوف و تقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دینے لگا۔(2)

---

(1) خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھویں پُشت میں کعب بن لؤی پر جا ملتا ہے۔ انھوں نے 6 نبوی میں چھبیس یا ستائیس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اپنی ممتاز بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ابوحفص کنیت اختیار کی۔ دورِ جاہلیت میں انھوں نے عراق و شام وغیرہ کے بکثرت سفر کیے تھے اور وہاں کے حکمرانوں سے ملاقاتیں کی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 13ھ تا 23ھ ایسے عمدہ طریقے سے حکومت کی کہ ان کے بعد اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان کے عہد میں اسلامی لشکروں نے ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں کو فتح کیا اور 22 لاکھ مربع میل پر محیط علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ فارسی نژاد ابولؤلؤ فیروز نے 27 ذی الحجہ کو انھیں مسجد میں زہر میں بُجھے خنجر سے زخمی کر دیا اور یکم محرم 24ھ کو زخموں کی تاب نہ لا کر وہ شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (اٹلس سیرت نبوی ص 353-354)

(2) قصص العرب: 3/16-17، ابن أبي الحدید: 3/98)

خلیفہ کے خلاف فیصلہ

عتبی کہتے ہیں کہ میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک (105ھ تا125ھ)[1] کے قاضی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں قاضی کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک ابراہیم بن محمد بن طلحہ اور دوسرا خلیفہ ہشام کا درباری سپاہی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی صاحب کے سامنے بیٹھ گئے۔

درباری سپاہی گویا ہوا: قاضی صاحب! امیر المؤمنین اور ابراہیم کے درمیان ایک تنازع ہے۔ امیر المؤمنین نے مجھے اپنی جانب سے نیابت کے لیے بھیجا ہے۔

قاضی: تمھاری نیابت پر دو گواہ مطلوب ہیں۔

درباری سپاہی: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین کی طرف سے کچھ جھوٹ بولوں گا، حالانکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی دور کا فاصلہ نہیں ہے، میں ان کا قریبی سپاہی ہوں۔

قاضی: بغیر شہادت کے نہ تمھارے حق میں مقدمہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ تمھارے خلاف۔

قاضی کا دوٹوک کلام سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل کر خلیفہ کی خدمت میں پہنچا اور اسے پوری داستان کہہ سنائی۔ خلیفہ سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ عدالت کے باہر موجود تھا۔ عدالت کا دروازہ کھلتے ہی درباری سپاہی آگے بڑھا اور گویا ہوا: قاضی صاحب! یہ دیکھیں امیر المؤمنین حاضر ہو گئے۔

خلیفہ ہشام کو دیکھتے ہی قاضی صاحب استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے مگر خلیفہ نے انھیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلی بچھایا' اس پر خلیفہ اور اس کا

مقابل ابراہیم بن محمد ایک ساتھ بیٹھ گئے۔

عتبی بیان کرتے ہیں کہ ہم حاضرین اس قضیے سے متعلق ان کے درمیان ہونے والی گفتگو صاف صاف نہیں سن رہے تھے' البتہ کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ دونوں مدعیوں نے اپنے اپنے دلائل بیان کیے۔ قاضی نے دونوں کی مفصل گفتگو سننے کے بعد خلیفہ ہشام کے خلاف فیصلہ دیا۔ ابراہیم بن محمد نے اپنے حق میں فیصلہ سن کر خلیفہ کی شان میں چند گستاخی آمیز کلمات کہہ دیے' مزید یہ بھی کہا:

«أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَبَانَ لِلنَّاسِ ظُلْمَكَ!»

''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے لوگوں کے روبرو آپ کا ظلم ظاہر کر دیا!''

یہ سن کر خلیفہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا:

«لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَضْرِبَ عُنُقَكَ ضَرْبَةً يَنْتَثِرُ مِنْهَا لَحْمُكَ عَنْ عَظْمِكَ»

''جی چاہتا ہے کہ تیری گردن پر ایسی ضرب لگاؤں جس سے تیری ہڈی سے تیرا گوشت الگ ہو جائے۔''

ابراہیم بن محمد نے کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ نے ایسا کیا تو ایک عمر دراز اور حق قرابت رکھنے والے کے ساتھ یہ غیر مناسب سلوک ہوگا۔

خلیفہ ہشام نے کہا: ابراہیم! اس قضیے کو صیغۂ راز ہی میں رہنے دو۔''

ابراہیم نے جواب دیا:

«لَا سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيَّ ذَنْبِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنْ سَتَرْتُهَا»

''اگر میں نے اس مقدمہ کو صیغۂ راز میں رکھا تو اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو

قیامت کے دن پوشیدہ نہ رکھے (یعنی میں ضرور لوگوں کو بتاؤں گا۔)

خلیفہ کہنے لگا: میں اس مقدمے کو چھپانے کے لیے تمھیں ایک لاکھ درہم عنایت کروں گا۔

جب خلیفہ کی وفات ہوگئی تو ابراہیم بن محمد کی زبان سے لوگ یہ کلمات سنا کرتے تھے:

«فَسَتَرْتُهَا عَلَيْهِ طُولَ حَيَاتِهِ ثَمَنًا لِمَا أَخَذْتُ مِنْهُ، وَأَذَعْتُهَا بَعْدَ مَمَاتِهِ تَزْيِينًا لَهُ»

''چنانچہ میں نے خلیفہ کی حیات میں اس مقدمے کو اس کی عطا کردہ قیمت کے عوض چھپائے رکھا اور جب اس کی وفات ہوگئی تو اس کی خوبی کے اظہار کے لیے اس راز کو فاش کردیا۔''(2)

---

(1) ہشام خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بیٹوں میں سے چوتھا بیٹا تھا جو یزید بن عبدالملک کے بعد منصبِ خلافت پر فائز ہوا۔ اس کے عہد میں ترکوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ ہشام نے نصر بن سیار کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو اس نے نومسلموں سے جزیہ لینا موقوف کیا جس کے نتیجے میں ترکوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا۔ ہشام کے جرنیل سعید حریشی نے خزر اور آذربائیجان کے ترکوں کو بار بار شکستیں دیں۔ رومیوں کے خلاف بھی کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ہشام کے عہد میں زید بن علی زین العابدین نے کوفہ میں خروج کیا مگر جب موقع آیا تو اہل کوفہ ساتھ چھوڑ گئے، چنانچہ زید بن علی نے انھیں ''رافضی'' کا خطاب دیا۔ آخری معرکے میں زید پیشانی میں تیر لگنے سے انتقال کر گئے۔ ہشام نے ساڑھے انیس برس خلافت کرنے کے بعد 125ھ/742ء میں وفات پائی۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج1ص 788-802)

(2) قصص العرب: 47/3، العقد الفرید: 447/4)

یہودی کے حق میں قاضی شریح کا فیصلہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ[1] کی زرہ کھوگئی' آپ نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی۔ آپ نے یہودی سے فرمایا (ان دنوں آپ خلافت کے عہدے پر فائز تھے): اے یہودی! یہ زرہ جو تمھارے پاس ہے میری ہے' فلاں روز مجھ سے کھوگئی تھی۔

یہودی کہنے لگا: میرے قبضے میں موجود زرہ کے بارے میں آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ میری زرہ پر اپنا دعویٰ کرتے ہیں تو اب یہی ایک چارہ ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ یہودی دونوں فیصلے کے لیے قاضی شریح[2] کی عدالت میں پہنچے۔ جب قاضی شریح کی نگاہ امیر المؤمنین پر پڑی تو اپنی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھے رہیں۔ قاضی شریح بیٹھ گئے۔

پھر فرمایا: میری زرہ کھوگئی تھی۔ میں نے اسے اس یہودی کے پاس دیکھا ہے۔

قاضی شریح نے یہودی سے پوچھا: تمھیں کچھ کہنا ہے؟

یہودی نے کہا: میری زرہ میرے قبضے میں ہے اور میری ملکیت ہے۔

قاضی شریح نے زرہ دیکھی اور یوں گویا ہوئے: اللہ کی قسم اے امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے' یہ آپ ہی کی زرہ ہے لیکن قانون کے مطابق آپ کے لیے گواہ پیش کرنا واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بطور گواہ اپنے غلام قنبر کو پیش کیا' اس نے آپ کے حق

میں گواہی دی' پھر آپ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو عدالت میں پیش کیا' ان دونوں نے بھی آپ کے حق میں گواہی دی۔

قاضی شریح نے کہا: آپ کے غلام کی گواہی تو میں قبول کرتا ہوں لیکن ایک گواہ مزید درکار ہے اور آپ کے دونوں صاحبزادوں میں سے کسی کی گواہی قبول نہیں کر سکتا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم اللہ کی! میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''حسن اور حسین نوجوانان اہل جنت کے سردار ہیں۔''

قاضی شریح نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بالکل حق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''پھر آپ نوجوانان اہل جنت کے سرداروں کی گواہی کیوں قبول نہیں کریں گے؟!

قاضی شریح نے کہا: یہ دونوں آپ کے صاحبزادے ہیں۔ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی مقبول نہیں۔

یہ کہہ کر قاضی شریح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا اور زرہ یہودی کے حوالے کر دی۔

یہودی نے تعجب سے کہا: مسلمانوں کا امیر مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں لایا اور قاضی نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ صادر فرمایا اور امیر المؤمنین نے اس کا فیصلہ بلا چون و چرا قبول بھی کر لیا!!

پھر یہودی نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! آپ کا دعویٰ بالکل سچ ہے۔ یہ زرہ یقیناً آپ ہی کی ہے'

فلاں دن یہ آپ سے گر گئی تھی تو میں نے اسے اٹھا لیا تھا، لہٰذا یہ آپ ہی کی ملکیت ہے، آپ لے لیں۔ پھر کلمہ شہادت پڑھ لیا:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری یہ زرہ بھی اور یہ گھوڑا بھی تمھارا ہے۔(3)

---

(1) امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے کر آپ کو داماد کے رشتہ سے بھی مشرف کیا۔ آپ کے بھائیوں میں عقیل اور جعفر رضی اللہ عنہما تھے جو آپ سے بڑے تھے۔ آپ تینوں بھائیوں کی عمروں میں دس دس سال کا فاصلہ تھا۔ آپ کی دو بہنیں تھیں جن کا نام ام ہانی اور جمانہ تھا۔ یہ تمام اولادیں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم ہیں' آپ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے۔

(2) ابو امیہ شریح بن حارث بن قیس بن جہم الکندی ابتدائے اسلام کے مشہور فقیہ قاضیوں میں سے ہیں' آپ یمن کے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب' حضرت عثمان بن عفان' حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں قضا کے عہدے پر فائز رہے۔ قاضی شریح قضا کے معاملہ میں ثقہ' امانت دار اور دور اندیش تھے۔ آپ طویل عمر سے نوازے گئے اور ایک سو آٹھ (108) سال کی عمر پا کر سرزمین کوفہ میں 87 ہجری میں داغ مفارقت دے گئے۔ (وفیات الاعیان ج 2 ص 460-463)

(3) حلیۃ الأولیاء لابن الجوزی، کنز العمال رقم 17790 میں بھی یہ واقعہ مختصر طور پر وارد ہے۔

میں کون ہوں؟

معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ (1) کہتے ہیں کہ میری ایک لونڈی تھی جو اُحد پہاڑ اور جوانیہ (مدینہ کے قریب ایک بستی یا جگہ کا نام) کے اردگرد بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ دیکھا کہ بھیڑیا ایک بکری لے کر بھاگ چکا ہے۔ چونکہ میں بھی ایک انسان ہوں' آدم کی اولاد کی طرح مجھے بھی غصہ آنا ایک فطری عمل ہے' لہٰذا میں نے غصے میں آکر اپنی اس لونڈی کو ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ جب میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے آگاہ کیا تو آپ کے انداز سے مجھے محسوس ہوا کہ میں نے بڑی عظیم غلطی کا ارتکاب کیا ہے' چنانچہ فوراً عرض کی:

«يَارَسُولَ اللهِ! أَفَلاَ أُعْتِقُهَا؟»

''اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے آزاد نہ کر دوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ائْتِـنِي بِهَا»

''اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔''

چنانچہ میں اپنی لونڈی کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

«أَيْنَ اللهُ؟»

''اللہ کہاں ہے؟''

وہ کہنے لگی: «فِي السَّمَاءِ»

''آسمان میں''

رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

«مَنْ أَنَا»؟

''میں کون ہوں؟''

وہ کہنے لگی:

«أَنْتَ رَسُولُ اللهِ»

''آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

«أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ»

''اسے آزاد کر دو' کیونکہ یہ مومنہ ہے''۔ (2)

---

(1) معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو سُلیم سے تھا، یہ مدینہ میں رہتے تھے (بخاری)۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بنو سُلیم کے علاقے میں سکونت پذیر تھے مگر مدینہ آتے جاتے رہتے تھے۔ ان سے بدشگونی لینے اور کہانت کے حرام ہونے والی حدیث بھی مروی ہے۔ ان کے بھائی علی بن حکم رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر عسقلانی جلد 6)

(2) مسلم: کتاب المساجد' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ: 537' ابوداود: 930

قاضی امیر حکم کی شہادت رد کرتا ہے!

سعید بن عبدالرحمٰن الداخل نے قاضی ابن بشیر کی خدمت میں ایک مقدمہ میں اپنی طرف سے ایک آدمی کو نائب بنا کر بھیجا۔ دراصل سعید بن عبدالرحمٰن کے قبضہ میں ایک تحریر تھی جس میں چند صاحبِ اثر لوگوں کے دستخط تھے۔ دستخط کنندگان میں سے سارے لوگوں کی وفات ہو چکی تھی۔ صرف امیر المؤمنین حکم (1) اور ایک اور آدمی زندہ تھے۔ یہ دوسرا آدمی سعید بن عبدالرحمٰن کے حق میں لکھی گئی تحریر کی گواہی تو دیتا تھا مگر کچھ دنوں بعد اس کی بھی موت واقع ہو گئی۔ ادھر تحریر سے متعلقہ مقدمہ وقت کے ساتھ ساتھ پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔

ایک دن سعید بن عبدالرحمٰن یہ نوشتہ لے کر امیر حکم کے پاس گیا اور اس میں امیر کے دستخط دکھلائے جو اس نے اپنی خلافت سے پہلے اپنے باپ کے عہد حکومت میں کیے تھے۔ سعید بن عبدالرحمٰن نے امیر کو یہ نوشتہ بطور یاد دہانی دکھلایا تا کہ قاضی کے پاس جب نوشتہ جائے تو وہ اسے نافذ کرے اور اس کو باطل قرار دینے سے گریز کرے۔

امیر حکم اپنے چچا سعید بن عبدالرحمٰن کی بے انتہا تعظیم و توقیر کرتا اور ان کی باتیں قبول کرتا تھا۔ اس نے جب وہ نوشتہ دیکھا تو کہنے لگا: چچا جان! ہم اب شہادت دینے کے قابل نہیں رہے۔ ہم دنیوی چاہت میں جس طرح سے ٹوٹ پڑے ہیں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر قاضی کے سامنے ذلت و رسوائی کا موقف اختیار کرنا پڑا تو ہمیں اپنی سلطنت کا سودا کرنا پڑ سکتا ہے، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ براہِ کرم آپ قاضی کا فیصلہ قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں،

اور اس مقدمہ میں حق جس مقام پر آپ کو لا کھڑا کرے بلا چون و چرا اسے تسلیم کر لیں۔ ہاں البتہ اس فیصلے سے آپ کو جو کچھ بھی کمی محسوس ہو گی اسے ہم بخوشی پورا کرنے کو تیار ہیں۔

سعید بن عبدالرحمٰن نے امیر حکم کی تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا: سبحان اللہ! بھلا قاضی کی کیا مجال کہ وہ آپ کی شہادت میں کچھ کہنے کی جرأت کر سکے۔ آپ ہی نے تو اسے منصب قضا تک پہنچایا ہے اور یہ منصب اس پر آپ کا ایک عظیم احسان ہے۔ آپ جو کچھ میرے نوشتہ کے بارے میں جانتے ہیں' اس سلسلے میں قاضی کے سامنے ضرور گواہی دیں اور آپ حقیقت ہرگز ہرگز نہ چھپائیں' کیونکہ سچی شہادت دینا اور اسے نہ چھپانا اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا عہد و پیمان لیا ہے۔

امیر نے جواباً عرض کیا: چچا جان! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہ آپ کا حق ہے' مگر آپ اس قضیے میں ہمیں مداخلت پر مجبور کر رہے ہیں۔ اگر آپ ہمیں اس قضیے سے سبکدوش کر دیں تو یہ ہمیں زیادہ محبوب ہے اور اگر آپ ہمیں مجبور کرتے ہیں تو ہم آپ کا حکم بجا لائیں گے' آپ کی نافرمانی کی ہم میں طاقت نہیں۔

سعید بن عبدالرحمٰن نے امیر کو پورے عزم کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ چونکہ نوشتہ میرے پاس ہے اور اس پر بااثر شخصیات کے دستخط بھی ثبت ہیں' اس لیے بہرحال مقدمہ کا فیصلہ تو میرے ہی حق میں صادر ہونے والا ہے۔

غرض چچا کا اصرار دیکھ کر امیر حکم نے قاضی کے سامنے شہادت دینے کا وعدہ کر لیا' چنانچہ اس نے مشہور زمانہ دو فقیہوں کو بلایا' ایک کاغذ پر اپنی شہادت کا مضمون قلمبند کیا اور اس پر مہر لگا کر فقیہوں کو دے دیا۔ پھر گویا ہوا: آپ دونوں میرا یہ نوشتہ

لے کر قاضی کی خدمت میں جائیں۔

دونوں فقیہ حکم کی تعمیل میں قاضی کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ عدالت کی کرسی پر گواہوں کے بیانات سننے کے لیے جلوہ افروز ہوا۔ جب انھوں نے خلیفہ کا خط قاضی کے ہاتھ میں دیا تو اس نے خط کا مضمون پڑھا اور پھر فقیہوں کی بات سُن کر گویا ہوا:

''میں نے آپ دونوں کا مقصد سن لیا۔ اب آپ لوگ بخیر و عافیت اللہ کی حفظ و امان میں واپس جا سکتے ہیں۔''

اتنے میں سعید بن عبدالرحمٰن کا نائب حاضر ہوا اور پورے اعتماد کے ساتھ قاضی سے یوں مخاطب ہوا: آپ کے پاس امیر کی شہادت بھی پہنچ چکی ہے' اب اس سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟ قاضی نے نائب سے وہ نوشتہ لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا:

«هٰذِهِ شَهَادَةٌ لَا تُقْبَلُ عِنْدِي فَجِئْنِي بِشَاهِدٍ عَدْلٍ»

''میرے نزدیک یہ شہادت نا قابل قبول ہے۔ میرے پاس کوئی عادل شاہد لے کر آؤ۔''

یہ فیصلہ سنتے ہی نائب گھبرا سا گیا اور جلدی سے سعید بن عبدالرحمٰن کی خدمت میں پہنچا اور حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ جب سعید بن عبدالرحمٰن کے کانوں سے قاضی کا فیصلہ ٹکرایا تو گویا کہ اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ فوراً سواری پر بیٹھا اور امیر حکم کی خدمت میں پہنچ کر یہ واویلا کرنے لگا:

«ذَهَبَ سُلْطَانُنَا وَ أُزِيلَ بَهَاؤُنَا، أَوَ يَجْتَرِئُ هٰذَا الْقَاضِي

عَلٰی رَدِّ شَهَادَتِكَ»

''ہماری سلطنت چلی گئی' ہمارا رعب و دبدبہ زائل ہو گیا۔ اس قاضی کی یہ مجال کہ آپ کی شہادت کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دے؟''

سعید نے امیر کو مزید اکساتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکومت سونپی ہے اور اپنے بندوں کے امیر کے طور پر آپ کو منتخب فرمایا ہے اور مسلمانوں کے جان و مال کا نگہبان بنایا ہے۔ یہ قاضی اس لائق نہیں ہے کہ اسے آپ یہ اہم منصب سونپیں۔

یوں طرح طرح کی باتوں سے سعید امیر حکم کو قاضی کے خلاف اُبھارتا رہا، اسے منصب قضا سے سبکدوش کرنے پر اکساتا رہا۔

سعید کا طویل کلام سن کر امیر حکم گویا ہوا:

«وَهَلْ شَكَكْتُ أَنَا فِي هٰذَا يَا عَمِّ! اَلْقَاضِي رَجُلٌ صَالِحٌ لَا تَأْخُذُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، فَعَلَ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ وَيَلْزَمُهُ، وَسَدَّ دُونَهُ بَابًا كَانَ يَصْعَبُ عَلَيْهِ الدُّخُولُ مِنْهُ فَأَحْسَنَ اللهُ جَزَاءَهُ»

''چچا جان! کیا میں نے اس قضیے میں کسی شک کا اظہار کیا ہے؟ قاضی ایک نیک و صالح آدمی ہے' اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اس کو حق بات سے نہیں پھیر سکتی۔ جو اس پر واجب تھا اس نے کیا' اور وہ چور دروازہ بند کر دیا جس سے بمشکل داخل ہوا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ قاضی کو جزائے خیر سے نوازے''۔

یہ سن کر سعید کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا: میرے حق میں آپ کی طرف سے یہی کچھ کہنے کو رہ گیا ہے۔

امیر نے جواب دیا:

«نَعَمْ! قَدْ قَضَيْتُ الَّذِي كَانَ لَكَ عَلَيَّ وَلَسْتُ وَاللهِ!

أُعَارِضُ الْقَاضِي فِيمَا احْتَاطَ لِنَفْسِهِ وَلَا أَخُونُ الْمُسْلِمِينَ فِي قَبْضِ يَدِ مِثْلِهِ»

''ہاں، میرے اوپر جو آپ کا حق بنتا تھا اسے میں نے پورا کر دیا' اور اللہ کی قسم! قاضی نے اپنے آپ کو جس احتیاط سے محفوظ رکھا ہے میں اس کے بارے میں اس کے آڑے نہیں آؤں گا اور نہ اس قسم کے (خود دار اور اچھے) لوگوں کو (حق بات سے) روک کر مسلمانوں کے حق میں خیانت کا مرتکب ہوں گا۔''(2)

---

(1) امیر حکم اول بن ہشام (180ھ تا 206ھ) امویانِ اندلس کا تیسرا حکمران تھا۔ وہ ہارون رشید اور شاہ فرانس شارلیمین کا ہم عصر تھا۔ حکم ایک عادل، علم و ادب کا دلدادہ اور بیدار مغز حکمران تھا۔ 200ھ-203ھ میں اس کے جرنیل عبدالکریم نے فرانس میں دور تک فتوحات حاصل کیں اور تین سال بعد سالماً غانماً لوٹا۔ (تاریخ اسلام ج 2 ص 99-114)

(2) قصص العرب: 3/96' 97 ' نفح الطیب: 1/391)

کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ[1] اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ[2] بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں دو آدمی رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں۔

دوسرا شخص جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار تھا، اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ سنائیں اور مجھے معاملے کی نوعیت کی وضاحت کرنے دیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اپنی بات بیان کرو۔''

وہ کہنے لگا: بات دراصل یہ ہے کہ میرا بیٹا اس آدمی کے گھر محنت مزدوری کیا کرتا تھا (گھر میں اس کی آمد و رفت تھی) چنانچہ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے بدکاری کا ارتکاب کیا۔ میں نے معاملے کو رفع دفع کرنے کے لیے اپنے بیٹے کی جانب سے سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اسے راضی کر لیا۔ پھر میں نے اس سلسلے میں اہل علم سے فتویٰ پوچھا تو انھوں نے مجھے شرعی سزا بتائی کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے ملک بدر کر دیا جائے گا جب کہ اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے ان کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا:

«وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ! لَأَقْضِیَنَّ بَیْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، الْوَلِیدَةُ

وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں تمھارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تم واپس لے جاؤ' اور تمھارے بیٹے کو سو کوڑے لگا کر سال بھر کے لیے جلا وطن کیا جائے گا۔ اور اے انیس! اس آدمی کی بیوی کے پاس جاؤ۔ اگر وہ زنا کا اعتراف کر لیتی ہے تو اسے سنگسار کر دو۔''

حضرت انیس رضی اللہ عنہ گئے اور پوچھا تو اس عورت نے اعتراف کر لیا۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے سنگسار کر دیا گیا۔(3)

---

(1) ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ کا نام ابن اسحٰق کے بقول عبد شمس تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ بلّی پالنے کی وجہ سے ان کا نام ابو ہریرہ (بلّی والا) رکھا گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا۔ وہ اصحابِ صُفّہ میں سے تھے۔ ان سے آٹھ سو سے زیادہ صحابہ و تابعین نے احادیث روایت کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بحرین کا عامل مقرر کیا، پھر معزول کر دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ 57ھ میں فوت ہوئے۔ (اسد الغابہ ج 6 ص 313-315)

(2) زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہتے تھے۔ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے اور فتح مکہ کے وقت قبیلہ جہینہ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ مدینہ میں 78ھ میں فوت ہوئے۔ (اسد الغابہ ج 2 ص 355)

(3) بخاری: کتاب الحدود: 6828، مسلم: 1697، نسائی: 241/8، موطأ: 167/2

قاضی کی ذہانت

قاضی ابوالحسین بن عقبہ کہتے ہیں کہ میرے چچا کی بیٹی نہایت دولت مند اور امیر تھی۔ میں نے اس سے شادی کرلی اور اس کے مال سے استفادہ کرنے لگا۔ مال کی بدولت میں نے خفیہ طور پر ایک اور شادی کرلی۔ ادھر کسی شخص نے میری پہلی بیوی کو بتادیا کہ میں نے دوسری شادی کرلی ہے۔

بس پھر کیا تھا، گھر میں طوفان آ گیا۔ میری بیوی سخت ناراض ہوئی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ دیکھو تم میری دولت استعمال کرتے تھے، آج کے بعد تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ میں تمھارے گھر نہیں رہنا چاہتی۔ تمھارے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ یا مجھے رکھو یا اس دوسری بیوی کو۔ مجھے رکھنا چاہتے ہو تو اسے فوراً طلاق دو۔ گھر میں یہ جھگڑا چلتا رہا۔ میں نے اپنی بیوی کو سمجھایا کہ میری کوئی دوسری بیوی نہیں ہے، تو اس نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو یوں کہو: میں تمھارے سوا تمام بیویوں کو طلاق دیتا ہوں۔ ادھر میں نے جس نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی وہ خوبصورت ہونے کے علاوہ نہایت سمجھدار بھی تھی۔ اب میں دو کشتیوں کا سوار تھا، پہلی بیوی میری چچازاد اور نہایت امیر تھی، مگر مجھ کو پسند نہ تھی اور دوسری بیوی غریب مگر سمجھدار تھی۔ میں گھر میں لڑائی نہیں چاہتا تھا، پہلی بیوی نے میرا خرچہ بند کر دیا تھا۔ اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کروں کہ میری پہلی بیوی بھی راضی ہوجائے اور اس کو تسلی ہوجائے کہ میں نے کوئی شادی نہیں کی، اور دوسری بیوی کو طلاق بھی نہ دینی پڑے۔

خاصے سوچ بچار کے بعد میں اپنی دوسری بیوی کے پاس گیا، اور اس سے کہا

کہ تم اپنے ہمسایوں کے پاس جاؤ، ان سے ایک عمدہ اور خوبصورت لباس عاریتاً لے لو، اور پھر خوب بن سنور کر خوشبو لگا کر پہلی بیوی کے پاس جاؤ، تاکہ اسے احساس ہو جائے کہ تم نہایت امیر اور مالدار عورت ہو۔ ملاقات کے وقت خوب رو رو کر آنسو بہانا اور اس کے حق میں خوب دعائیں کرنا۔ جب وہ تمھاری کثرت گریہ و زاری سے متاثر ہو جائے گی تو یقیناً تم سے پوچھے گی کہ تمھاری مشکل اور پریشانی کیا ہے؟۔ اب تم اس کو بتانا کہ میرے چچازاد نے مجھ سے شادی کی ہے اور مجھے بتائے بغیر ایک اور شادی بھی کر لی ہے اور میرا مال اپنی دوسری بیوی پر خرچ کرتا ہے۔ مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔ چونکہ تمھارا خاوند قاضی ہے، اس سے میری مشکل اور پریشانی بیان کرو۔ میری سفارش کرو کہ میرے ساتھ انصاف کرے اور میرے شوہر کو عدالت میں بلا کر اس سے پوچھ گچھ کرے۔ جب وہ تمھاری بات سن کر تمھیں میرے پاس لے کر آئے گی، تو باقی معاملہ میں خود سنبھال لوں گا۔

میری تدبیر نہایت کامیاب رہی۔ میری ہدایت کے مطابق میری نئی بیوی نے نہایت خوبصورت لباس زیب تن کیا اور ایک مالدار عورت کے روپ میں ہمارے گھر آئی۔ میں اس وقت گھر ہی پہ تھا۔ اس نے آتے ہی زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ میری پرانی بیوی نے اس کے آنسو پونچھے' اسے چپ کرایا، اس کی دلجوئی کی اور کہا کہ بہن بتاؤ تمھارا مسئلہ کیا ہے، کیوں رو رہی ہو۔ اب اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ دہرا دیے۔ اس نے فوراً کہا:

«فَالْقَاضِی أَشَرُّ مِنْ زَوْجِكِ، وَهٰكَذَا يَفْعَلُ بِی»

''بہن! میرا شوہر' قاضی تو تمھارے شوہر سے بھی بدتر ہے۔ وہ بھی مجھے دھوکے میں رکھ کر شادی کیے ہوئے ہے۔''

یہ کہہ کر وہ میری نئی بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے غصّے میں میری مجلس میں آئی اور کہنے لگی:

«هٰذِهِ الْمَشْؤُومَةُ حَالُهَا مِثْلُ حَالِي، فَاسْمَعْ مَقَالَهَا وَاعتَمِدْ إِنْصَافَهَا»

''اس بدنصیب بی بی کا حال بھی میرے ہی جیسا برا ہے۔اس کی بات سنو اور اس کے ساتھ انصاف کرو۔''

میں نے نئی بیوی سے پوچھنا شروع کیا:

کیا بات ہے، کیا شکوہ لے کر آئی ہو؟

اس نے جو کچھ سکھایا پڑھایا گیا تھا' وہ عرض کیا۔

میں نے اس سے پوچھا:

«هَلِ اعْتَرَفَ ابْنُ عَمِّكِ لَكِ بِأَنَّهُ قَدْ تَزَوَّجَ عَلَيْكِ؟»

''کیا تیرے چچا کے بیٹے (یعنی تیرے شوہر) نے تمھارے سامنے اعتراف کیا ہے کہ اس نے دوسری شادی کر رکھی ہے؟''

اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! بھلا وہ میرے خوف کے مارے کیوں کر اعتراف کرے گا؟

میں نے پوچھا: پھر کبھی تو نے اس کی دوسری بیوی کو دیکھا ہے اور اس کی شکل پہچانتی ہو؟

وہ کہنے لگی: نہیں نہیں۔

پھر میں نے کہا: اے خاتون! اللہ کا خوف کھا اور سنی سنائی باتوں پر یقین مت کر، کیونکہ حاسد لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو میاں بیوی کی خوشی دیکھ نہیں

پاتے۔ اس طرح جولوگ عورتوں کو بگاڑتے ہیں ، ان کے پاس اس قسم کا ڈرامہ رچانے کے لیے بہت سے حیلے بہانے ہوتے ہیں اور وہ جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں۔مثال کے لیے میری ہی بیوی کو دیکھو، اس سے بھی کسی نے یہ چغلی کھائی ہے کہ میں نے اس کے علاوہ بھی کسی عورت سے شادی کررکھی ہے، جبکہ میں اس کے سامنے یہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دروازے کے باہر اگر میری کوئی بیوی ہے تو میں اسے طلاق ثلاثہ دیتا ہوں۔

یہ سنتے ہی میرے چچا کی بیٹی یعنی میری بیوی اٹھی اور میرے سر کو بوسہ دیا اور کہنے لگی:

«قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ مَكْذُوبٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْقَاضِي»

''مجھے اب یقین ہوگیا اے قاضی کہ تم پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔''

اس طرح میرا کام چل گیا اور چونکہ میری دونوں بیویاں میرے پاس ہی موجود تھیں' اس لیے میری قسم بھی واقع نہیں ہوئی ۔ (کیونکہ قسم تو کھائی گئی تھی دروازے سے باہر موجود بیوی کو طلاق کی !!)[1]

---

(1) أخبار الأذكياء، ابن جوزی: ص:160 دار ابن حزم۔

بدری صحابہ کے لیے بخشش کا پروانہ

ابوعمرو بن صیفی بن ہشام بن عبد مناف کی لونڈی سارہ مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ منورہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ اس دن کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ مکہ پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا: اے سارہ! کیا تو ہجرت کر کے آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو مسلمان بن کر آئی ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: پھر کیوں آئی ہو؟

اس نے جواب دیا: آپ لوگ اہل و عیال' خاندان اور غلاموں والے تھے۔ چونکہ مجھے شدید حاجت لاحق ہوئی، اس لیے میں آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوگئی تاکہ مجھے کچھ عطیہ مل جائے اور زیب تن کرنے کے لیے کپڑوں کا بندوبست ہو جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: اہل مکہ کے نوجوان تیرے درد کا مداوا نہیں بن سکے؟ یہ لونڈی مغنیہ (گانے والی) تھی، اس لیے آپ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

اس نے عرض کی: جنگ بدر کے بعد مجھے گھاس نہیں ڈالی گئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو اس لونڈی کے لیے عطیات دینے پر ابھارا۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے عطیات سے نوازا اور اس کے لیے کپڑے مہیا کیے۔

اس کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ(1) اس لونڈی کے پاس آئے۔ یہ حاطب بن ابی بلتعہ بھی ان قلیل حضرات میں سے ایک تھے جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توریہ (جنگی نقل وحرکت) کا علم ہوتا تھا، چنانچہ اُنھوں نے اس لونڈی (سارہ) کو اہل مکہ کے لیے ایک راز دارانہ خط دیا اور اس ڈاک کو منزل تک پہنچانے کے لیے دس دینار اور کچھ چادریں پیش کیں۔

سارہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش قبول کر لی اور خط لے لیا۔ خط کا عنوان کچھ اس طرح تھا:

«مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُرِيدُكُمْ فَخُذُوا حِذْرَكُمْ»

''حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے باشندگان مکہ کے نام!

عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے اوپر چڑھائی کرنے والے ہیں، اس لیے (از راہ ہمدردی میں نے تمھارے پاس یہ راز دارانہ خط بھیجنے کی جرأت کی) تم لوگ اپنے بچاؤ کے لیے ہوشیار ہو جاؤ۔''

سارہ بڑی ہی تیز رفتاری کے ساتھ مکہ کو روانہ ہو گئی۔ شاید وہ اہل قریش سے حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے پیش کردہ رقم سے کچھ زیادہ ہی امید لگائے ہوئے تھی۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ نے عرش سے فرش پر حضرت جبریل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیجا اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاطب بن ابی بلتعہ کے راز سے آگاہ کر دیا، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ مجلس قائم کی اور یوں مخاطب ہوئے:

''سب سے پہلے حاطب کی طرف سے اہل مکہ کو لکھا گیا خط حاصل کرنا

ضروری ہے' پھر حاطب کے لیے سزا تجویز ہو گی کیونکہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کا راز فاش کرنے کا جرم کیا ہے۔"

پھر رسول اکرم ﷺ نے علی بن ابی طالب' عمار بن یاسر' زبیر بن عوّام' طلحہ مقداد بن اسود اور ابومرثد لیثی رضی اللہ عنہم کو (سارہ کے پیچھے) روانہ کیا۔ یہ تمام کے تمام شہسوار تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"جاؤ' جب روضہ خاخ (مدینہ سے ہٹ کر ایک جگہ کا نام) پہنچو گے تو وہاں تمھیں ہودج میں سوار ایک عورت ملے گی جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کا لکھا ہوا ایک خط ہو گا۔ اس سے خط حاصل کر کے اس کا راستہ چھوڑ دینا۔ اگر خط تمھارے حوالے کرنے سے انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا۔"

شہسواروں کا یہ قافلہ گھوڑوں کو مہمیز لگاتا ہوا اور کوہ و دشت عبور کرتا ہوا عورت سے اسی جگہ جا ملا جس کی خبر رسول اکرم ﷺ نے دی تھی۔ انھوں نے اس عورت سے پوچھا: خط کہاں رکھا ہے؟

عورت نے اللہ کی قسم کھا کر انھیں بتایا کہ میرے پاس کسی قسم کا خط نہیں ہے۔

شہسواروں نے اس کے سامان کی تلاشی لی' لیکن خط نہیں ملا' چنانچہ واپس ہو جانے کا ارادہ کیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ نے نہ تو ہمیں جھوٹی خبر دی اور نہ ہمیں جھٹلانا چاہا۔ یہ جملہ کہتے ہوئے حضرت علی نے اپنی تلوار میان سے کھینچ لی اور لونڈی کو ڈانٹ کر کہا: "چل خط نکال' ورنہ اللہ کی قسم! میں تجھے ننگا کر کے چھوڑوں گا اور تیری گردن اڑا دوں گا۔"

جب لونڈی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیور دیکھے تو کہنے لگی: آپ مجھ سے دور

ہی رہیں، میں خط دیتی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔ لونڈی نے اپنے کپڑے کی تہ سے خط نکال کر شہسواروں کے حوالے کیا، چنانچہ انھوں نے اس کی راہ چھوڑ دی۔

یہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کیا تجھے خط کا قصہ معلوم ہے؟''

حاطب نے جواب دیا: ہاں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تجھے اس جرم کے ارتکاب پر کس بات نے آمادہ کیا؟

حاطب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو ترک کرنے کا ارادہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی نہیں آیا اور نہ مشرکین سے جدائی کے بعد ان کی محبت میرے قلب وجگر میں اپنی کوئی جگہ بنا سکی، تاہم چونکہ میں نے دیکھا کہ جتنے بھی مہاجرین ہیں، ان کا کوئی نہ کوئی آدمی مکہ میں موجود ہے جو ان کا دفاع کر سکتا ہے لیکن میں ان کے درمیان اجنبی ہوں جبکہ میرے خاندان والے انھی مشرکین کے درمیان ہیں، اس لیے مجھے اپنے اہل خانہ کے بارے میں خوف لاحق ہوا، چنانچہ میں نے قریش کو یہ مدد پہنچانی چاہی (تاکہ وہ میرے خاندان کی مدافعت کر سکیں) اور یہ بھی مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب ضرور مسلط کرے گا اور میرا یہ خط ان کے کچھ کام نہ آ سکے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق فرمائی اور انھیں معذور قرار دیا۔

اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جلال آیا اور بول اٹھے: یا رسول اللہ! آپ میری راہ چھوڑ دیں، میں اس منافق کی گردن اڑا دیتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَمَا يُدْرِيكَ يَا عُمَرُ! فَلَعَلَّ اللهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ لَهُمْ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

"اے عمر! تجھے کیا خبر' شاید اللہ نے بدری صحابہ کی طرف جھانک کر فرمایا ہو: تم جو چاہو کرو' میں نے تمھارے گناہ معاف کر دیے ہیں۔"(2)

---

(1) حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ ان بہادر صحابہ کرام میں سے ہیں جنھوں نے جنگ بدر کبریٰ میں شرکت کی۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی تھے۔ تیر اندازی میں اس قدر ماہر تھے کہ نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی وفات پینسٹھ (65) سال کی عمر میں خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔

(2) فتح الباری لابن حجر. تفسیر القرطبی۔

گورنر کے سامنے اس کا بیٹا کوڑے کھاتا ہے!!

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (1) امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر کے حاکم تھے۔ مصر کا ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! أَنَا عَائِذٌ بِكَ مِنَ الظُّلْمِ»

''اے امیر المؤمنین! میں ظلم سے آپ کی پناہ لینے آیا ہوں۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «عُذْتَ مُعَاذًا»

''تم نے ایسے آدمی کی پناہ حاصل کی جو تمھیں پناہ دے سکتا ہے۔''

مصری بولا: میں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا، میں اس سے آگے بڑھ گیا تو وہ مجھے کوڑے سے مارنے لگا اور کہنے لگا: «أَنَا ابْنُ الأَكْرَمِينَ» میں شریف خاندان کا بیٹا ہوں۔

یہ شکوہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تشریف لائیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے پوچھا: «أَيْنَ الْمِصْرِيُّ ؟» ''مصری کدھر ہے؟

وہ سامنے آیا تو کہا: خُذِ السَّوْطَ فَاضْرِبْ» یہ کوڑا لے اور مار۔''

امیر المؤمنین کا حکم ملتے ہی مصری عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے پر کوڑا برسانے لگا اور امیر المؤمنین کہتے جا رہے تھے:

«اضْرِبِ ابْنَ الأَكْرَمِينَ» ''شریف خاندان کے بیٹے کو مارو!''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مصری نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو کوڑے لگائے اور اللہ کی قسم! بہت مارا' اور ہم اس کی پٹائی چاہتے بھی تھے۔لیکن مصری برابر مارے جارہا تھا' حتی کہ ہماری خواہش ہوئی کہ اب اس کی پٹائی بند ہو جائے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مصری سے فرمایا:

«ضَعْ عَلَى صَلْعَةِ عَمْرٍو»

''کوڑا عمرو بن عاص کی چندیا (گنجے سر) پر بھی لگاؤ۔''

مصری نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! ان کے بیٹے نے میری پٹائی کی ہے اور میں نے اس سے قصاص لے لیا۔

پھر امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«مُذْ كَمْ تَعَبَّدْتُّمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا»

''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا رکھا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا؟!''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی: «يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَمْ أَعْلَمْ وَلَمْ يَأْتِنِي»

''اے امیر المؤمنین! مجھے اس معاملے کی کچھ بھی خبر نہیں اور نہ یہ میرے پاس شکایت لے کر آیا تھا۔'' (2)

---

(1) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلے بنوسہم سے تھا۔ انھوں نے 8 ہجری میں اسلام قبول کیا۔ نبی ﷺ نے انھیں عُمان کی طرف روانہ کیا اور ان کی تبلیغ سے وہاں کے حاکم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ وہ بڑے خوش گفتار، شیریں بیاں، خطیب، قادر الکلام، مدبر، سیاستدان اور سپہ سالار تھے۔ ان سے 39 احادیث مروی ہیں۔ انھوں نے تقریباً 42 ہجری میں وفات پائی۔ (اٹلس سیرت نبوی ص 385-386)

(2) حياة الصحابة۔ از محمد یوسف کاندھلوی: 338/2 مؤسسۃ الرسالۃ ۔ كنز العمال: 98/7)

قاضی ابو یوسف کی حق گوئی

فضل بن ربیع (1) امام ابوحنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کے پاس ہارون رشید کی طرف سے بحیثیت گواہ حاضر ہوا لیکن قاضی صاحب نے اس کی گواہی کی تردید کی اور قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے پوچھا: فضل کی گواہی کو آپ نے کیوں قبول نہیں کیا؟

قاضی ابو یوسف: میں نے اسے ایک دن آپ کی مجلس میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ آپ کا غلام ہے، چنانچہ اگر وہ اپنے قول میں صادق ہے تو اس کی شہادت قابل قبول نہیں' کیونکہ بقول خود وہ غلام ہے اور اگر وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے تو اس کی شہادت ایسی صورت میں بھی نا قابل قبول ہے کیونکہ جب وہ آپ کی مجلس میں جھوٹ بولنے کی کوئی پروا نہیں کرتا تو بدرجہ اولیٰ وہ مجلس قضا میں بھی جھوٹ کی پروا نہیں کرے گا۔

خلیفہ نے جب یہ کلام سنا تو قاضی ابو یوسف کو معذور گردانا اور اس فیصلہ پر ان کی تائید کی۔

---

(1) یہ فضل بن ربیع بن یونس بن محمد ہے' جو ہارون رشید اور محمد امین کا حاجب (وزیر) تھا۔ اس کا والد منصور اور مہدی کا وزیر تھا۔ اس کی پیدائش 140 ہجری میں ہوئی اور وفات 207 ہجری میں ہوئی۔
(تاریخ بغداد ج 12 ص 343-344)

عمر بن عبدالعزیز کی نگاہ میں مظلوم کی قدر

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ(1) حمص کے بازار میں گھوم رہے تھے۔ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس آیا جو دھاری دار چادر زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ کا حکم ہے کہ جو کوئی مظلوم ہو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو؟

عمر بن عبدالعزیز نے کہا: ہاں۔

وہ شخص بولا: پھر آپ کی خدمت میں دور دراز علاقے سے چل کر ایک مظلوم حاضر ہوا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا:

تیرا خاندان کہاں ہے؟

وہ بولا: اَبْین (یمن کا ایک صوبہ) سے بھی دور۔

عمر بن عبدالعزیز: اللہ کی قسم! تیرا خاندان عمر کے خاندان سے بہت دور ہے۔

یہ کہہ کر اپنی سواری سے فوراً اتر گئے اور پوچھا: تیرے اوپر کیسا ظلم ڈھایا گیا ہے؟

پردیسی: میری غلہ اُگانے والی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ جما لیا ہے اور مجھے اس سے یکسر بے دخل کر دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کا قضیہ سن کر عروہ بن محمد کو لکھا کہ وہ اس مظلوم کی داستان اور شہادت سنے اور جب اس کا حق ثابت ہو جائے تو اسے واپس دلا دے۔ یہ خط لکھ کر اپنی مہر لگا دی۔

جب پردیسی نے واپسی کے لیے اٹھنا چاہا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس سے کہا:

ٹھہرو، تم دور دراز علاقے سے حاضر ہوئے ہو۔ راستے میں تمھارا کتنا زادِ سفر خرچ ہوا ہے، یا سواری پر تمھاری کتنی لاگت آئی ہے اور کتنے کپڑے بدلنے پڑے ہیں؟

ان سب کا حساب لگایا گیا تو لاگت پندرہ دینار تک پہنچی، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے یہ رقم دے کر روانہ کیا۔

---

(1) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے۔ ان کی ماں ام عاصم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ ان کے والد عبدالعزیز 21 سال تک مصر کے گورنر رہے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ 99ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق عمر رحمہ اللہ نے منصبِ خلافت سنبھالا۔ انھوں نے اموی خاندان کے ہاتھوں غصب شدہ جاگیریں اصلی حقداروں کو لوٹا دیں، نیز مصارف بیت المال کی اصلاح کی اور خطبات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نامناسب الفاظ استعمال کرنے کی بدعت کا خاتمہ کیا۔ 101ھ میں اموی اکابر کی سازش سے زہر خورانی کے نتیجے میں عمر بن عبدالعزیز انتقال کر گئے۔

(تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی ص 525-546)

ایک گردن زدنی بدو کی ضمانت!

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجلس میں جلوہ افروز تھے۔ اتنے میں دو نوجوان ایک دیہاتی آدمی کو پکڑے ہوئے لائے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اسے کھڑا کر دیا:

امیر المؤمنین نے پوچھا: بات کیا ہے؟

نوجوانوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! اس نے ہمارے والد کو ناحق قتل کیا ہے۔

امیر المؤمنین نے پوچھا: تو نے ان کے باپ کو کس طرح قتل کیا ہے؟

دیہاتی نے جواب دیا: وہ اپنا اونٹ لے کر میری زمین میں داخل ہو گیا' میں نے اسے داخل ہونے سے منع کیا لیکن اس نے ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ میں نے پتھر اس کو دے مارا۔ پتھر اس کے سر پر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیہاتی کی گفتگو سنی اور فرمایا: قصاص، قصاص!! (یعنی خون کا بدلہ خون!!)

کوئی قرار نامہ نہیں لکھا گیا بلکہ یہ فیصلہ ایسا تھا جس میں کسی مناقشے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی کے خاندان کی بابت نہیں پوچھا کہ وہ کس قبیلے کا ہے؟ کیا وہ کسی معزز قبیلے کا ہے؟ کیا اس کا خاندان مضبوط اور طاقتور ہے؟ سوسائٹی میں اس کی کیا پوزیشن ہے؟ وغیرہ وغیرہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سب چیزوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھا اور نہ اس سلسلہ میں انھیں کوئی فکر دامنگیر ہوئی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے

میں کسی کی کوئی پروانہیں کرتے تھے اور نہ شرعی حساب و کتاب میں کسی سے کوئی نرمی برتتے تھے۔

دیہاتی نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! میں آپ سے اس ذات کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں جس کے سبب آسمان و زمین قائم ہیں کہ آپ مجھے صرف ایک رات کے لیے چھوڑ دیں تاکہ میں گاؤں جا کر اپنی بیوی اور بال بچوں سے ملاقات کر آؤں' اور انھیں اس بات سے آگاہ کر دوں کہ عنقریب میں قتل کیا جانے والا ہوں۔ اس بات سے آگاہ کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا' اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے بعد میرے سوا میرے بال بچوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور نہیں ہے۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: تو گاؤں جانے کے بعد میرے پاس لوٹ کر آئے گا، اس بات کی ضمانت کون دے گا؟

امیر المؤمنین کی بات سن کر لوگوں کا مجمع خاموش ہو گیا، کیونکہ کوئی بھی آدمی اس دیہاتی کا نام تک نہیں جانتا تھا' اور نہ کسی کو اس کے گھر یا خاندان کا پتہ تھا' پھر ایسی صورت میں بھلا کون اس کی واپسی کی ضمانت دے سکتا تھا؟! اور وہ ضمانت بھی ویسی نہیں تھی کہ دس بیس دینار' یا اونٹ گھوڑا یا جائداد و زمین دے کر سبکدوش ہوا جا سکے' بلکہ یہ گردن کی ضمانت تھی کہ اگر وہ دیہاتی واپس آ گیا تو خیر' ورنہ تلوار سے ضامن کی گردن اڑا دی جائے گی۔

شریعت اسلامیہ کے قانون کی تنفیذ رکوانے کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے کون آ سکتا تھا؟ کون ان کے سامنے حدود الٰہیہ میں سفارش کی جرأت کر سکتا تھا؟ کس کے بس کا روگ تھا کہ وہ خطاب کے بیٹے کے سامنے واسطہ بن سکے؟

غرض سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش تھے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا'

گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ امیر المؤمنین بھی بڑے متفکر و متاثر تھے' وہ ایک مشکل گرداب میں پھنس چکے تھے کہ اب کیا کریں؟ آیا اس اعرابی کو قتل کر دیں اور اس کے بال بچے گاؤں میں بھوک سے مر جائیں یا اسے گھر جانے کی اجازت دے دیں اور وہ کسی کی ضمانت دیے بغیر چلا جائے اور اگر واپس نہ آئے تو پھر مقتول کا قصاص یونہی رہ جائے!!

سارا مجمع خاموش تھا۔ امیر المؤمنین نے تھوڑی دیر اپنا سر جھکائے رکھا' اور پھر مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا:

«أَتَعْفُوَانِ عَنْهُ؟»

''کیا تم دونوں اس قاتل اعرابی کا جرم معاف کر سکتے ہو؟''

نوجوانوں نے عرض کی: نہیں، اپنے باپ کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچائے بغیر ہم نہیں چھوڑ سکتے، اے امیر المؤمنین!

امیر المؤمنین نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: اے لوگو! اس اعرابی کی ضمانت مجھے کون دے سکتا ہے؟

مجمع میں سے ایک آواز آئی: ہاں اے امیر المؤمنین! میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

یہ ایک بزرگ و تقویٰ شعار کی آواز تھی، یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (1) تھے۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: یہ قتل کی ضمانت ہے، قتل کی!!

ابوذر غفاری نے عرض کی: خواہ قتل ہی کی ضمانت کیوں نہ ہو!!

امیر المؤمنین نے پوچھا: کیا آپ اس دیہاتی کو پہلے سے جانتے ہیں؟

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے پہلے کوئی شناسائی نہیں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: پھر کس بنیاد پر آپ اس شخص کی ضمانت دے رہے ہیں؟

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں نے اس کے اندر مؤمنوں کے آثار دیکھے ہیں، اس لیے میں نے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ ان شاء اللہ یہ ضرور آجائے گا۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: اے ابوذر! کیا آپ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ اگر اس اعرابی نے آنے میں تین دنوں سے زیادہ تاخیر کر دی تو میں آپ کو چھوڑ دوں گا اور آپ کی جان بخشی ہو جائے گی؟

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دیہاتی کو تین دن کی رخصت دے دی کہ وہ ان ایام کے دوران میں جا کر اپنے بچوں اور بیوی سے آخری کلمات کہہ آئے اور ہو سکے تو کسی کو ان کا کفیل بنا دے۔ امیر المؤمنین کی اجازت پا کر دیہاتی اپنے گھر کو چلا گیا۔

تیسرے دن جب دیہاتی نہ پہنچ سکا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں عصر کے وقت «اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ» کا اعلان کرا دیا۔

قصاص طلب کرنے والے دونوں نوجوان حاضر ہوئے اور لوگوں کا اژدحام ہو گیا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: دیہاتی کدھر ہے؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

مجھے نہیں معلوم اے امیر المؤمنین!

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سورج کو دیکھ رہے تھے جو تیزی کے ساتھ ڈھل رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموشی کے ساتھ حیران و ششدر سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے جن کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھا۔

یہ بھی سچ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دل میں بستے تھے لیکن یہاں مسئلہ شریعت کا تھا' یہ دستور الٰہی کا معاملہ تھا' یہ قوانین الٰہیہ کا مسئلہ تھا جن سے کھلواڑ نہیں کیا جا سکتا اور نہ انھیں لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے، کہیں شرعی قوانین کا چہرہ مسخ نہ ہو جائے۔ نیز ظروف و حالات سے تجاوز کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی اور نہ ایک آدمی کی جگہ دوسرے کا خون کیا جا سکتا ہے۔

آفتاب غروب ہونے کے لیے ڈھل چکا تھا' غروب سے تھوڑا پہلے سورج کی سرخی نظر آنے لگی تھی اور چند ہی لمحوں میں وہ پوری طرح سے غروب ہونے والا تھا کہ یکا یک وہ اعرابی نمودار ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ان کے ساتھ مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور پھر وہ اعرابی تیز قدموں سے چلتے ہوئے لوگوں کے مجمع میں پہنچ گیا۔

حضرت عمر نے فرمایا:

«أَيُّهَا الرَّجُلُ! أَمَا إِنَّكَ لَوْ بَقِيتَ فِي بَادِيَتِكَ مَا شَعَرْنَا بِكَ وَمَا عَرَفْنَا مَكَانَكَ»

''اے آدمی! اگر تو اپنے گاؤں ہی میں رک جاتا تو ہم تجھے نہیں جان سکتے تھے

اور نہ تیرے گھر کا پتہ چل پاتا۔"

دیہاتی نے جواباً کہا:

«وَاللهِ! مَا عَلَيَّ مِنْكَ وَلٰكِنْ عَلَيَّ مِنَ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰى»

"اللہ کی قسم! میرے اوپر آپ کا کوئی زور نہیں ہے لیکن مجھے اس ذات کا خوف ہے جو تمام رازوں اور پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا بھی علم رکھتا ہے!!"

امیر المؤمنین نے مقتول کے دونوں نوجوان بیٹوں سے فرمایا:

تمھاری کیا رائے ہے؟ نوجوانوں نے روتے ہوئے عرض کی:

اے امیر المؤمنین! اس دیہاتی کی صداقت کی وجہ سے ہم اس کو معاف کر رہے ہیں۔

امیر المؤمنین نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو آپ کی ڈاڑھی پر گرنے لگے۔

---

(1) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو کنانہ کی شاخ بنو غِفار سے تھا۔ ان کا نام جُندب یا بُریر بن جنادہ تھا۔ یہ کبار صحابہ میں سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ قبول اسلام میں چوتھے یا پانچویں شخص تھے۔ وہ ہجرت نبوی کے بعد مدینہ آئے۔ ان کا انتقال 31ھ یا 32ھ میں رَبَذہ (نزد مدینہ) میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (أسد الغابہ ج 6 ص 96)

خود کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا

رسول اکرم ﷺ نے جب بنو قریظہ کی غداری کے سبب ان کا محاصرہ کیا تو آپ نے یہودیوں کے قلعے میں حضرت ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ (1) کو بھیجا تاکہ وہ یہودیوں سے مذاکرہ کریں شاید یہودی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تسلیم کرنے کی حامی بھر کر قلعے سے نیچے اتر آئیں۔

جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ یہودیوں کے پاس گئے تو ان کے بچے، بوڑھے اور عورتیں رو رہی تھیں۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے ساتھ کونسا معاملہ کرنے والے ہیں؟

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا (رسول اکرم ﷺ تمھیں قتل کرنے والے ہیں۔)

اس کے بعد وہ قلعے سے نکلے ہی تھی کہ انھیں ہوش آیا کہ ان سے رسول اکرم ﷺ کا راز افشا ہو گیا ہے اور یوں ان سے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے بارے میں خیانت سرزد ہو گئی ہے، چنانچہ وہ فوراً مسجد نبوی میں گئے اور خود کو ایک ستون سے باندھ لیا اور کہا:

«وَاللهِ! لَا أَحُلُّ نَفْسِي وَلَا أَذُوقُ طَعَامًا وَلَا شَرَابًا حَتَّى يَتُوبَ اللهُ عَلَيَّ»

''اللہ کی قسم! میں خود کو نہیں کھول سکتا اور نہ کھانے پینے کا مزہ چکھ سکتا ہوں تاآں کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔''

پھر اس کے بعد حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سات دنوں تک کچھ کھائے پیے

بغیر ستون سے بندھے رہے۔ اس دورا آپ کی صاحبزادی آکر مسجد کے ستون سے آپ کو نماز اور بشری حاجات کے لیے کھول دیا کرتی تھی۔ جب آپ بھوک پیاس کی تاب نہ لاسکے تو ایک دن غش کھا کر گر پڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی۔ لوگوں نے جب قبولیت توبہ کے بارے میں بتایا تو آپ نے کہا:

«وَاللهِ! لاَ أُحِلُّ نَفْسِي حَتَّى يَكُونَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَحُلُّنِي»

''اللہ کی قسم! میں خود کو زنجیروں سے اس وقت تک آزاد نہیں کرسکتا جب تک کہ خود رسول اکرم ﷺ مجھے نہ کھولیں۔''

چنانچہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور ان کی زنجیر کھولی۔ (2)

---

(1) ابن ہشام نے ابولبابہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کا نام ''بشیر'' لکھا ہے۔ بیعت عقبہ کے وقت نبی ﷺ نے انھیں نقیب مقرر کیا تھا اور غزوۂ بدر اور غزوۂ سویق کے مواقع پر ان کو مدینہ میں اپنا نائب مامور کیا۔ وہ غزوۂ اُحد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے وقت بنوعمرو بن عوف کا پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے موقع پر سات، آٹھ یا نو افراد کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے۔ بعد میں انھیں ندامت ہوئی تو انھوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا حتی کہ سورۂ توبہ کی آیت 102 کے مطابق ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔

(اسد الغابہ ج 6 ص 260-262)

(2) دیکھیے اسد الغابة لابن الأثير: 261/6، و تاريخ الإسلام للذهبي: 343/1

جاسوسی کا انجام قتل

ایاس بن سلمہ بن اکوع [1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین میں سے ایک جاسوس رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ وہ جاسوس مسلمانوں کے ساتھ باتیں کرتا رہا، پھر (کھانا وغیرہ کھا کر) چپکے سے کھسک گیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اطْلُبُوهُ وَاقْتُلُوهُ»

''اسے تلاش کر کے قتل کر ڈالو۔''

رسول اکرم ﷺ کا حکم سنتے ہی لوگ جاسوس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ میرے والد (سلمہ) نے دوڑ کر سب سے پہلے اس جاسوس کی اونٹنی کی لگام جا پکڑی اور اسے موقع ہی پر قتل کر دیا، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس (جاسوس) کا سارا ساز و سامان میرے والد (سلمہ بن اکوع) کو بطور تحفہ دے دیا۔ [2]

---

(1) حضرت سلمہ بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ نے بیعت رضوان (حدیبیہ) کے موقع پر دو بار بیعت کی۔ یہ غزوۂ ذی قرد سمیت سات غزوات میں شریک ہوئے۔ ابن اسحٰق کے بقول ان سے بھیڑیا ہم کلام ہوا تھا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مدینے میں مقیم رہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ربذہ منتقل ہو گئے۔ انھوں نے 74ھ میں انتقال فرمایا۔ (اسد الغابہ ج 2 ص 517)

(2) أقضية رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: 225/1، بخاری: 3051، مسلم: 1754 مطولاً۔

ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے

فتح مکہ سے کچھ دن قبل رسول اکرم ﷺ کے داماد ابو العاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ (1) تجارت کی غرض سے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ شام کی طرف نکلے۔ ان کے ساتھ قریش کے اموال بھی تھے۔ ملک شام سے واپسی پر رسول اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک چھوٹے سے لشکر نے ابو العاص اور ان کے ہمراہیوں کا راستہ روکا۔ اس لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمانوں نے قریش کے اس قافلے کا سارا مال چھین لیا اور کچھ لوگوں کو بھی گرفتار کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ مگر ابو العاص بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ رات کو اپنے مال کے حصول کے لیے مدینہ منورہ میں اپنی بیوی اور رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور ان سے پناہ طلب کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں پناہ دے دی۔

جب رسول اکرم ﷺ نے صبح کی نماز کے لیے اللہ اکبر کہا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی صف میں سے آواز دیتے ہوئے کہا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ»

''لوگو! میں نے ابو العاص بن ربیع کو پناہ دی ہوئی ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے جب سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

«هَلْ سَمِعْتُمْ مَا سَمِعْتُ؟»

''میں نے جو کچھ سنا ہے وہ تم لوگوں نے بھی سنا ہے؟''

صحابہ کرام نے عرض کی: ہاں

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا عَلِمْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعْتُهُ كَمَا سَمِعْتُمْ»

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اس سلسلے کی کچھ بھی خبر نہیں تھی (کہ میری صاحبزادی نے ابوالعاص کو پناہ دے رکھی ہے) یہاں تک کہ میں نے ابھی یہ بات سنی جو تم نے بھی سنی ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ»

"مسلمانوں میں سے کوئی ادنیٰ آدمی بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ اپنی صاحبزادی زینب ﷞ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«أَكْرِمِي مَثْوَاهُ وَلَا يَخْلُصَنَّ إِلَيْكِ فَإِنَّكِ لَا تَحِلِّينَ لَهُ»

"ابوالعاص کی رہائش کا اچھی طرح بندوبست کرو، مگر وہ تمھارے قریب نہ آنے پائے کیونکہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو (کہ وہ کافر ہے اور تم مسلمان)۔"

حضرت زینب ﷞ نے رسول اکرم ﷺ کو بتلایا کہ ابوالعاص اپنا مال طلب کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان افراد کو اکٹھا کیا جنھوں نے ابوالعاص اور ان کے ساتھیوں کا مال چھینا تھا، پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ مِنَّا بِحَيْثُ عَلِمْتُمْ، وَقَدْ أَصَبْتُمْ لَهُ مَالًا، وَهُوَ مِمَّا أَفَاءَهُ اللهُ عَلَيْكُمْ، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ تُحْسِنُوا وَتَرُدُّوا

عَلَيْهِ الَّذِي لَهُ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ بِهِ»

''جیسا کہ تم لوگ خوب اچھی طرح سے جانتے ہو، یہ آدمی (ابوالعاص) ہمارے رشتے داروں میں سے ہے اور تم لوگوں نے اس کا مال چھینا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمھیں بطور غنیمت عطا فرمایا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس کے اوپر احسان کرو اور اس کا مال واپس کر دو، یہ میری ایک تجویز ہے۔ اگر تم اس بات سے انکار کرتے ہو تو اس مال کے زیادہ حقدار تم ہی لوگ ہو۔''

صحابۂ کرام نے عرض کی: نہیں، اللہ کے رسول ﷺ! (ہم آپ کی تجویز کو دل و جان سے مانتے ہوئے) اس مال کو واپس کر دیتے ہیں۔

چنانچہ انھوں نے ابوالعاص کا سارا مال واپس کر دیا۔ ابوالعاص یہ مال لے کر مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور جس جس قریشی سے مال لیا ہوا تھا اسے واپس کر دیا۔ قریش نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا:

«جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا ، فَقَدْ وَجَدْنَاكَ وَفِيًّا كَرِيمًا»

''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو وفادار اور شریف پایا ہے۔''

پھر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کلمہ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور قریش سے گویا ہوئے:

«وَاللهِ! مَا مَنَعَنِي مِنَ الإِسْلاَم إِلاَّ خَوْفًا أَنْ تَظُنُّوا بِي أَكْلَ أَمْوَالِكُمْ»

''اللہ کی قسم! (مدینہ میں محمد ﷺ کے پاس) مجھے اسلام قبول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی، صرف ایک ہی خدشہ دامنگیر تھا کہ کہیں تم اس بدگمانی میں مبتلا نہ ہو

جاؤ کہ میں نے تمھارا مال ہڑپ کرلیا۔‘‘

پھر وہ مدینہ طیبہ لوٹ گئے اور رسول اکرم ﷺ نے نکاح اول ہی پر اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس لوٹا دیا۔ (2)

---

(1) ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پردادا عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھے۔ یوں ان کا نسب نبی ﷺ کی چوتھی پشت میں جا ملتا ہے۔ ان کی ماں ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھیں۔ بعثت سے پہلے نبی ﷺ کی بڑی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص سے ہوا تھا۔ ابوالعاص غزوۂ بدر میں لشکر کفار میں شامل تھے اور گرفتار ہوئے۔ نبی ﷺ نے انھیں اس شرط پر رہا کیا کہ وہ مکہ جا کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں۔ ابوالعاص نے وعدہ پورا کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا سے ان کے فرزند علی رضی اللہ عنہ اور بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ 12ھ میں انتقال کر گئے۔ اس سے پہلے زینب رضی اللہ عنہا وفات پا گئی تھیں۔

(اسد الغابہ ج 6 ص 182-183)

(2) اسد الغابة:6042، سیرة ابن هشام:657/1، البیهقی:95/9، الحاکم:45/4، مجمع الزوائد:330/5

حضرت دانیال علیہ السلام کا فیصلہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام یتیم تھے۔ ان کے ماں باپ زندہ نہ تھے۔ بنی اسرائیل کی ایک خاتون نے ان کو گود لے کر ان کی پرورش و پرداخت کی۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا جس کے دو قاضی تھے۔ وہ خاتون بہت ہی حسین وجمیل اور بارعب تھی۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں گاہے بگاہے آیا کرتی اور اسے پند ونصائح کیا کرتی تھی۔

اس خاتون کی وقتاً فوقتاً بادشاہ کی خدمت میں آمد ورفت کو دونوں قاضی بڑے غور سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کی محبت ان دونوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور وہ اسے اندر ہی اندر دل وجان سے چاہنے لگے۔ ایک مرتبہ موقع پا کر انھوں نے اس پاکباز خاتون سے اپنی اندرونی کیفیت کا اظہار بھی کر دیا اور اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم دونوں تم سے بہت زیادہ پیار اور محبت کرتے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ ہمارے عشق کو تم قبول کروگی مگر اس پاکباز خاتون نے انھیں نصیحت کی اور ان کی محبت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دونوں قاضیوں نے طرح طرح سے اسے بہلا پھسلا کر اپنی جھوٹی محبت کے دامِ فریب میں پھنسانا چاہا مگر وہ کسی بھی طرح ان کے ہاتھ نہیں آئی۔

جب دونوں قاضیوں نے دیکھا کہ یہ خوبصورت خاتون کسی بھی قیمت پر ان کے ہاتھ نہیں آ سکتی تو انھوں نے جھنجھلا کر بادشاہ کے روبرو یہ شکایت کر دی کہ جو عورت آپ کو آ کر پند ونصائح کیا کرتی ہے اس نے زنا جیسے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے!

بادشاہ نے جب اپنے قاضیوں کی شہادت سنی تو وہ بڑی مشکل میں پڑ گیا اور

اسے بے حد صدمہ پہنچا، کیونکہ وہ اس خاتون کی شرافت ونجابت کا دل سے قائل تھا مگر قاضیوں کی شہادت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

غرض بادشاہ نے دونوں قاضیوں کی شہادت پانے کے بعد مزید تحقیق و تفتیش کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ان سے کہا: تم دونوں کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ پھر بادشاہ نے اس عورت کو تین دن کی مہلت دی اور اس کے بعد اس کی سنگساری کا حکم دے دیا، نیز شہر میں یہ منادی کرادی کہ فلاں دن فلاں عورت کو سنگسار کیا جائے گا، لوگ اسے دیکھنے کے لیے حاضر ہو جائیں۔

بادشاہ نے گرچہ اس عورت کی سنگساری کا حکم دے دیا تھا، مگر اندر سے وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے اپنے ایک معتمد وزیر سے پوچھا: کیا کسی حیلے بہانے سے اس عورت کو سنگسار ہونے سے بچایا جا سکتا ہے؟

وزیر نے عرض کیا: اب جبکہ شہر میں اس کی سنگساری کی منادی کرادی گئی ہے اور یہ سنگساری کا فیصلہ آپ ہی کے قریبی دو قاضیوں کی شہادت کی بنیاد پر دیا گیا ہے، پھر ایسی صورت میں اس عورت کی سنگساری کے فیصلے پر عمل درآمد نہ کرنے میں کون سی بات مانع ہو سکتی ہے؟

تیسرے دن جو کہ اس عورت کے سنگسار ہونے کا دن تھا، بادشاہ کا وہ معتمد وزیر گھر سے نکلا تو اس نے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے ہیں۔ ان میں حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے۔ وہ حضرت دانیال علیہ السلام کو نہیں پہچانتا تھا، تاہم کھڑا ہو کر ان بچوں کا کھیل دیکھنے لگا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے بچوں کو اکٹھا کر کے کہا: اے بچو! آؤ میں تمھارا بادشاہ بنتا ہوں۔ اور اے فلاں! تو زہد وورع کی پیکر فلانی عورت بن جا۔ اور دو لڑکوں کو قاضیوں کا کردار دیا اور کہا کہ تم دونوں میری عدالت میں اس عورت

کے خلاف گواہی دو۔ پھر خود ہی مٹی کا ڈھیر جمع کر کے اس پر بیٹھ گئے اور ہاتھ میں لکڑی کی ایک تلوار رکھ لی۔ اب صورت ایک عدالت کی تھی۔ دونوں قاضی لڑکے اور وہ لڑکا جو عورت کے روپ میں تھا، سامنے کھڑے تھے۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے دوسرے لڑکوں سے کہا کہ وہ ایک قاضی کا ہاتھ پکڑ کر دور فلاں جگہ لے جائیں۔ جب وہ چلے گئے تو دوسرے قاضی کو بلا کر سختی سے کہا: سچ سچ بتا، ورنہ تجھے قتل کر دوں گا، تو کس بنیاد پر اس عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دیتا ہے؟

قاضی کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا: کب؟

ننھے قاضی نے جواب دیا: فلاں روز۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا: کس مرد کے ساتھ اس نے زنا کیا ہے؟

ننھے قاضی نے جواب دیا: فلاں بن فلاں کے ساتھ۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے پوچھا: کس جگہ؟

ننھے قاضی نے جواب دیا: فلاں جگہ؟

حضرت دانیال علیہ السلام نے لڑکوں سے کہا: اس قاضی کو لے جاؤ اور دوسرے قاضی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لڑکوں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے اس دوسرے قاضی سے بھی وہی سوالات کیے جو پہلے قاضی سے کر چکے تھے۔ مگر اس دوسرے قاضی کے جوابات پہلے قاضی سے مختلف تھے۔ حضرت دانیال علیہ السلام زور سے اللہ اکبر پکار اٹھے۔

بادشاہ کا معتمد وزیر جو کہ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، وقت ضائع کیے بغیر بادشاہ کی

خدمت میں پہنچا اور اس کو بچوں کا یہ کھیل تماشا کہہ سنایا۔ بادشاہ کو ہوش آیا اور اس نے حضرت دانیال علیہ السلام ہی کی طرح دونوں قاضیوں کو بلا بھیجا اور انھیں الگ الگ کر کے ان سے بیانات لیے۔ معلوم ہوا کہ دونوں کے بیانات مختلف ہیں، چنانچہ بادشاہ نے لوگوں میں یہ منادی کرا دی کہ قاضیوں کے قتل کا مشاہدہ کرنے کے لیے لوگ فلاں میدان میں اکٹھے ہو جائیں۔ پھر مجمعِ عام کے سامنے بادشاہ نے دونوں قاضیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور پاکیزہ خاتون کو باعزت اس کے گھر بھیج دیا۔ (1)

(1) دیکھیے کتاب: الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، لابن القیم (ص80)

نوٹ: یہ واقعہ ہم نے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی مذکورہ کتاب سے لیا ہے مگر اس میں حضرت دانیال علیہ السلام کے ساتھ کوئی ایسا لقب لکھا ہوا نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ دانیال نبی تھے۔ انھوں نے صرف دانیال نام لکھا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایة والنهایة میں ذکر کیا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نبی تھے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ نبی نہیں بلکہ کوئی ولی اللہ تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

بدعہدی کا انجام

متعدد سیرت نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ جنگ بدر میں جن ستر (70) قیدیوں کو گرفتار کیا گیا تھا' ان میں ابوعزہ عمرو بن عبداللہ بھی تھا جو کہ شاعر بھی تھا۔ یہ ایک محتاج اور کئی بچوں کا باپ شخص تھا۔ اس نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی:

«يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَدْ عَرَفْتَ حَالِي وَإِنِّي لَذُو حَاجَةٍ وَذُو عِيَالٍ فَامْنُنْ عَلَيَّ»

''اے اللہ کے رسول! میرے حالات آپ سے مخفی نہیں ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں ایک محتاج اور کثیر العیال آدمی ہوں' اس لیے میری درخواست ہے کہ آپ مجھ پر احسان کریں (اور مجھے رہا فرما دیں۔)

نیز اس نے عرض کی:

«إِنَّمَا خَرَجْتُ لأُصِيبَ لَهُمْ شَيْئًا»

''میں (مسلمانوں کے مقابلے کے لیے) اس لیے نکلا تھا کہ مجھے اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ مال حاصل ہو جائے۔''

رسول اکرم ﷺ نے اس کے عجز اور محتاجی کو دیکھتے ہوئے اس کے لیے معافی کا پروانہ جاری کر دیا اور اس سے یہ عہد بھی لیا کہ وہ دوبارہ کبھی آپ ﷺ کے خلاف جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔

مگر اس نے بدعہدی کی اور جنگ احد میں بھی مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے نکل پڑا۔ اس جنگ میں اس نے مشرکین کو رسول اکرم ﷺ کے خلاف خوب ابھارا اور اشعار کہے۔ اتفاق سے جنگ اُحد میں بھی مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا اور گرفتار

کرلیا گیا۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی دوسرا مشرک غزوۂ احد میں گرفتار نہیں ہوا۔

جب اس بد بخت کو اللہ کے رسول کے سامنے پیش کیا گیا تو اس مرتبہ بھی وہ رسول اکرم ﷺ سے معافی کی درخواست کرتے ہوئے کہنے لگا:

«مُنَّ عَلَيَّ»

''مجھ پر احسان فرمائیں (اور مجھے چھوڑ دیں۔)''

مگر اس مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے اس کی بات پر کان نہیں دھرا اور ارشاد فرمایا:

«لاَ يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ ،لاَ تَمْسَحُ عَارِضَيْكَ بِمَكَّةَ تَقُولُ : خَدَعْتُ مُحَمَّدًا مَرَّتَيْنِ»

''مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا' (میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتا، کہیں) تم مکہ پہنچ کر اپنے دائیں بائیں دیکھ کر بطور فخر یہ نہ کہو کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکا دیا ہے۔''

پھر آپ ﷺ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی۔ (1)

---

(1) اقضية رسول الله صلى الله عليه وسلم: 240/1 'سيرة ابن هشام: 660/1 حدیث کا ایک حصہ بخاری: 6133 اور مسلم: 2998 میں بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اللہ کا فیصلہ

عروہ بن زبیر (1) بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے مکہ مکرمہ میں یہ قسم کھا رکھی تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو لازماً قتل کرے گا۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اس کی قسم کے بارے میں علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلْ أَنَا أَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ!»

"بلکہ اللہ نے چاہا تو میں ہی اسے قتل کروں گا"۔

چنانچہ غزوۂ احد کے دن ابی بن خلف سر سے پاؤں تک لوہے کا لباس پہن کر میدان میں اترا، وہ کہہ رہا تھا: «إِنْ نَجَوْتُ لَا نَجَا مُحَمَّدٌ»

"آج اگر میں بچ گیا تو محمد نہیں بچ سکیں گے"

پھر اس نے یکا یک رسول اکرم ﷺ پر حملہ کر دیا۔ ادھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے آگے آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور رسول اکرم ﷺ کی طرف سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر ان کے جسم پر اتنے زخم لگے کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس اثنا میں رسول اکرم ﷺ نے ابی بن خلف کے خود اور زرہ کے درمیان ہنسلی دیکھی اور اس میں نیزہ گھونپ دیا۔ ابی بن خلف اپنے گھوڑے سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ نیزے کی ضرب سے اس کی ہنسلی کو معمولی خراش آئی حتی کہ خون بھی نہ نکلا۔ پھر اس کے ساتھی اس کے پاس آئے اور اس کو اٹھا کر لے گئے۔ وہ بیل کی طرح زور زور سے ڈکرا رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا:

«مَا أَجْزَعَكَ! إِنَّمَا هُوَ خَدَشٌ»

"کس خوف سے تم اس طرح ڈکرا رہے ہو؟ یہ تو معمولی سی ایک خراش ہے۔"

وہ ساتھیوں سے کہنے لگا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْكَانَ هٰذَا الَّذِي بِي بِأَهْلِ ذِي الْمَجَازِ لَمَاتُوا أَجْمَعُونَ»

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ تکلیف اہل ذی المجاز(2) کو پہنچتی جس سے میں ابھی دوچار ہوں تو وہ تمام کے تمام موت کے گھاٹ اتر جاتے۔''(3)

سیرت کی بعض کتابوں میں یہ بھی آیا ہوا ہے کہ جب ابی بن خلف کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تم اس قدر زیادہ واویلا کیوں کر رہے ہو جب کہ تمھیں معمولی سا زخم پہنچا ہے، تو اس نے ساتھیوں سے کہا: تم لوگوں کو یاد نہیں ہے کہ محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کرنے کی بات کہی تھی۔

«فَوَاللهِ! لَوْبَصَقَ عَلَيَّ لَقَتَلَنِي»

''اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ میرے اوپر تھوک بھی دیتے تو میں مر جاتا۔''

پھر وہ اللہ کا دشمن مقام سرف (مکہ کے قریب ایک جگہ) میں جہنم رسید ہوگیا۔(4)

اللہ کا یہ دشمن رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا عزم اور ارادہ رکھتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ مردود محمد ﷺ کے ہاتھوں قتل ہوگا (چنانچہ یہ اپنے برے انجام کو پہنچا)۔

---

(1) عروہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے سگے بھائی تھے۔ عروہ مدینہ کے سات فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ 22ھ میں پیدا ہوئے تھے اور 93ھ میں ربذہ کے نزدیک مقام فُرع میں انتقال کر گئے۔ (وفیات الاعیان ج 3 ص 416-418)

(2) ذوالمجاز: یہ عرفات سے ایک فرسخ (پانچ کلومیٹر قریباً) دُور ایک سُوق (منڈی) تھا۔ (معجم البدان جلد 5)

(3) دلائل النبوة للبيهقي: 258/3، البداية والنهاية: 32/4

(4) اقضية رسول الله صلى الله عليه وسلم: 241/1

قاصد کا تحفظ اور عہد و پیمان کا لحاظ

قاصد کے جان و مال کا تحفظ ان بین الاقوامی قوانین میں سے ہے جن پر عمل درآمد کرنا ہر ملک کے بادشاہ یا حکمران پر واجب ہے۔ اسی طرح دو ملکوں میں جو عہد و پیمان ہو اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی مثالیں نبوی زندگی میں بھی موجود ہیں۔ آیئے اس عہد کے حوالے سے چند نمونے ذیل میں دیکھتے ہیں:

① جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب نے اپنے دو قاصدوں کو رسول اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں قاصد مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت پر ایمان لا چکے تھے۔ اس سلسلے میں شرعی مسئلہ ہے کہ اس عقیدے کا حامل قتل کر دیا جائے گا مگر رسول اکرم ﷺ نے ان قاصدوں کو قتل نہیں کیا کیونکہ قاصد قتل نہیں کیا جاتا، خواہ وہ کسی بھی عقیدے کا حامل کیوں نہ ہو۔

نعیم بن مسعود اشجعی (1) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب نے اپنے دو قاصدوں کو خط دے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے خط سنا تو دونوں قاصدوں سے پوچھا:

«مَا تَقُولَانِ أَنْتُمَا ؟»

''مسیلمہ کے بارے میں تم دونوں کیا کہتے ہو؟''

وہ دونوں کہنے لگے: ہم اس بات کے قائل ہیں جو مسیلمہ کہتا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔

ان کی باتیں سن کر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَمَا وَاللهِ! لَوْ لَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ عُنُقَكُمَا»

"اللہ کی قسم! اگر یہ بات آڑے نہ آتی کہ قاصد کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں ضرور تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔"(2)

۲ حدیبیہ کے سال جب رسول اکرم ﷺ ادائیگی عمرہ کے لیے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے تو مشرکوں نے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ قریش مکہ نے اپنے قاصدوں کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو اس سال عمرہ کیے بغیر مدینہ واپس چلے جانے پر راضی کریں۔ مسلمان قاصد بھی قریش کے پاس گئے تاکہ دونوں طرف سے مفاہمت و مصالحت ہو جائے اور اس طرح جنگ کی آگ جو بھڑکنے کے لیے تیار تھی، بجھ جائے۔ قریش نے جن لوگوں کو اپنا قاصد بنا کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا تھا ان میں ایک ابو رافع بھی تھے۔ جب وہ قریش کا پیغام لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا تو ان کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا اور انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اب وہ اسلام قبول کر کے مسلمانوں ہی کے ساتھ رہ جائیں، مکہ مکرمہ واپس نہ جائیں۔ مگر رسول اکرم ﷺ نے اس وقت ابو رافع کو مکہ واپس ہونے کا حکم دیا۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے سال) قریش مکہ نے مجھے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ کی شخصیت کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کی محبت سما گئی، چنانچہ میں نے عرض کی:

«يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي وَاللهِ! لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا»

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں ان (قریش) کے پاس ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔''

مگر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّی لاَ أَخِیسُ بِالْعَهْدِ وَلاَ أَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلَکِنِ ارْجِعْ فَإِنْ کَانَ فِی نَفْسِكَ الَّذِی فِی نَفْسِكَ الآنَ فَارْجِعْ»

''میں عہد و پیمان نہیں توڑتا اور نہ قاصدوں (پیغامبروں) کو روک رکھتا ہوں (اور جانے نہیں دیتا)' بلکہ تم واپس جاؤ۔ اگر تمھارے دل میں اسلام کی محبت ہو جیسا کہ اس وقت ہے تو (مکہ سے) واپس آ جانا۔''

چنانچہ میں واپس چلا گیا اور بعد میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔'' (3)

③ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے پاس آ گیا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مشرکین کے پاس چلا گیا تو وہ اسے مسلمانوں کو واپس نہیں کریں گے۔ ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے پاس آئے۔ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب سہیل بن عمرو نے (جو مشرکین کی طرف سے معاہدہ کرنے آیا تھا) ابو جندل کو دیکھا تو ان کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اور ان کا گریبان پکڑ کر منہ کے بل زمین پر گرا دیا اور کہنے لگا:

«یَا مُحَمَّدُ! قَدْ لَجَّتِ الْقَضِیَّةُ بَیْنِی وَ بَیْنَكَ قَبْلَ أَنْ یَأْتِیَكَ هٰذَا»

''اے محمد! اس (ابو جندل) کے آنے سے قبل ہی میرے اور آپ کے

درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''بات صحیح ہے۔''

(یہ واضح رہے کہ اس وقت تک ابھی دستخط نہیں ہوئے تھے بلکہ معاہدہ ابھی لکھا جا رہا تھا۔)

پھر سہیل حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو سختی کے ساتھ کھینچنے لگا اور ابو جندل رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر زور زور سے آواز دینے لگے:

«يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! أُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ يَفْتِنُونَنِي فِي دِينِي»

''اے مسلمانو! کیا میں پھر مشرکین کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں جو میرے دین کے باعث مجھے آزمائش میں ڈالیں گے؟''

اس وقت مسلمانوں اور بالخصوص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کیفیت کیا تھی' وہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں سے پوچھیے۔ یہاں تو یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر بھی اپنے عہد و پیمان کی حفاظت فرمائی اور معاہدے کی پابندی فرماتے ہوئے ابو جندل سے ارشاد فرمایا:

«يَا ابْنَ جَنْدَلٍ! اصْبِرْ وَاحْتَسِبْ فَإِنَّ اللهَ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا إِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحًا وَأَعْطَيْنَاهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَأَعْطُونَا عَهْدَ اللهِ وَإِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ»

''ابو جندل! صبر سے کام لو اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دیگر کمزور مسلمانوں کے لیے کشادگی اور

کوئی راستہ نکالے گا۔ ہم نے مشرکین کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا ہے' اور اس پر ہم نے اللہ کو ضامن ٹھہرا لیا ہے ' اس لیے ہم ان (مشرکین) کے ساتھ بدعہدی نہیں کر سکتے۔''(4)

---

(1) نعیم بن مسعود اشجعی غطفانی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خندق کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ انھوں نے بنوقریظہ، غطفان اور قریش میں پھوٹ ڈال دی۔ وہ خلافت عثمانی میں فوت ہوئے۔ (اسد الغابہ ج 5 ص 328-329)

(2) [صحیح] ابوداود: کتاب الجهاد: 2761' مجمع الزوائد للهيثمي: 314/5

(3) [صحیح] ابوداود: کتاب الجهاد: 2758' احمد: 8/6)

(4) دیکھیے: البداية والنهاية: 218/6' تحقیق دکتور عبداللہ ترکی' أسد الغابة: 5775

قانونی فیصلہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (1) بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے حرّہ کے علاقے میں واقع پانی کے نالے کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی۔ مدینے کے لوگ اس نالے سے کھجور کے درختوں کو سیراب کیا کرتے تھے۔ انصاری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہتا تھا:

«سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ» ''پانی کو آگے (میرے کھیت میں) جانے دیں۔''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کی بات ماننے سے انکار کرتے تھے۔ دونوں کا مقدمہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ»

''زبیر! اپنا باغ سیراب کرلو، پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو (تاکہ وہ بھی اپنی کھیتی سیراب کرلے۔)''

اس پر انصاری کو غصہ آ گیا اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا:

«أَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ» ''چونکہ زبیر آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں نا (اسی لیے ان کے حق میں فیصلہ ہو رہا ہے۔)''

انصاری کی بات سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا: «اسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ»

''زبیر! اپنا باغ سیراب کرلو، پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ وہ منڈیروں تک چڑھ جائے (اور اس کے بعد پانی چھوڑو۔)''

دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اخلاقی فیصلہ سناتے ہوئے انصاری کے

کھیت میں پانی چھوڑنے کے لیے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا مگر جب انصاری نے اس اخلاقی فیصلے پر ناراضی کا اظہار کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونی فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے کنویں یا نہر کے قریب کے کھیت والے کا حق بنتا ہے کہ وہ پہلے اپنی کھیتی سیراب کرے پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھی:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں' پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں' ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں''۔(سورۃ النساء:65)[2]

---

(1) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ یہ 2ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ خلافت عثمانی میں طرابلس (لیبیا) انھی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ انھوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کی تھی اور اس کی زندگی ہی میں اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی جو 64ھ میں یزید کی وفات کے بعد عراق اور مصر وغیرہ میں بھی تسلیم کر لی گئی۔ اس دوران میں مروان بن حکم نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور جلد ہی مصر پر بھی اس کا تسلط قائم ہو گیا۔ رمضان 65ھ میں مروان کی اچانک رحلت پر اس کا بیٹا عبدالملک دمشق میں خلیفہ بنا۔ 71ھ میں عبدالملک نے عراق پر چڑھائی کی اور جنگ میں والیٔ عراق مصعب بن زبیر اور ان کا بیٹا مارے گئے۔ اسی سال عبدالملک کے سپہ سالار حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگباری کی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے دس ہزار ساتھی حجاج سے مل گئے اور وہ تن تنہا لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔
(تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین احمد ندوی ص409-428)

(2) بخاری: كتاب المساقاة' باب سكر الأنهار:2360' مسلم:2357

خانہ کعبہ کی کنجی

صفیہ بنت شیبہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ (فتح مکہ کے موقع پر) مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے (اور مکہ فتح ہو گیا) اور ادھر باشندگان مکہ کے دلوں سے خوف و ہراس نکل گیا (کہ محمد ﷺ ان کے کرتوتوں کی سزا نہ دیں گے بلکہ معاف فرما دیں گے) تو رسول اکرم ﷺ بیت اللہ شریف میں تشریف لائے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر ہی خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ طواف مکمل ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ[1] کو بلایا (جو کعبہ کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے) اور ان سے خانہ کعبہ کی کنجی مانگی۔

ارشاد ہوا:

«أَيْنَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ ؟»

''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟''

یہ حدیبیہ کے موقع پر اسلام لا چکے تھے۔ ان سے فرمایا کہ کعبہ کی چابی لے کر آؤ۔ وہ دارِ طلحہ میں اپنی والدہ کے پاس گئے اور ان سے چابی مانگی تو اس نے انکار کر دیا۔ انھوں نے ماں کو دھمکایا اور کہا:

«لَتُعْطِيَنَّهُ أَوْ لَيَخْرُجَنَّ هٰذَا السَّيْفُ مِنْ صُلْبِي»

''تم چابی مجھے ضرور دو گی ورنہ میں تلوار نکالنے پر مجبور ہوں گا۔''

والدہ سے چابی لے کر وہ اللہ کے رسول کے پاس آئے اور چابی ان کے حوالے کر دی۔

عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کنجی حوالے کر دی تو کعبہ کا دروازہ کھولا گیا۔ رسول

اکرم ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں لکڑیوں سے جوڑ کر بنایا گیا ایک کبوتر نصب کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر توڑ ڈالا اور زمین پر پھینک دیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اس دوران میں باشندگان مکہ مسجد حرام میں اپنے سروں کو جھکائے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ ان کے بارے میں آپ کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے معافی کا پروانہ جاری فرمایا۔ اس وقت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی:

«يَارَسُولَ اللهِ! اجْمَعْهُ لَنَا حِجَابَةً مَعَ السِّقَايَةِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ»

''اے اللہ کے رسول! حجاج کرام کو پانی پلانے کا جو شرف ہمیں حاصل ہے' اسی کے ساتھ خانہ کعبہ کی نگرانی اور اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی ہمیں سونپ دیں (اور کنجی ہمیں عطا فرما دیں تاکہ ہمیں یہ شرف بھی حاصل ہو جائے)۔ اللہ تعالیٰ آپ پر مزید برکتیں اور رحمتیں نازل فرمائے۔''

رسول اکرم ﷺ نے اس موقع پر بھی عدل وانصاف کا مظاہرہ فرمایا اور چونکہ خانہ کعبہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کی ذمہ داری عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہی برسوں سے سنبھالے چلے آ رہے تھے' اس لیے آپ ﷺ نے کنجی حوالے کرنے کے لیے انھیں طلب فرمایا۔

آج اللہ کے رسول جس کو چاہتے چابی دے سکتے تھے۔

ایک مرتبہ اللہ کے رسول نے مکی دور میں بیت اللہ کی چابی مانگی تھی مگر عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تھا۔ یہ بات آپ کو اچھی طرح یاد تھی مگر اس کے

باوجود ارشاد ہوتا ہے:

«هَاكَ خُذْ مِفْتَاحَكَ يَا عُثْمَانُ الْيَوْمَ يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ»

''عثمان! آؤ اور یہ اپنی کنجی لو۔ آج کا دن وفاداری اور احسان کا دن ہے۔''(2)

---

(1) عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ، عبدالدار بن قُصی کی اولاد میں سے تھے۔ غزوۂ احد میں اُن کا باپ طلحہ اور چچا عثمان دونوں لشکر کفار میں شامل تھے اور بالترتیب علی رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے بلکہ عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے چار کافر بھائی مسافع، جلاس، حارث اور کلاب بھی اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اُنھوں نے مدینہ ہجرت کی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مکہ منتقل ہو گئے اور 42ھ میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگ اجنادین (15ھ) میں شہید ہوئے۔ (اسد الغابہ ج 3 ص 572)

(2) اقضية رسول الله صلى الله عليه وسلم: 668/2

ابو وہب! نیچے اترو

یہ واقعہ مؤطا امام مالک (1) میں ابن شہاب سے مروی ہے۔ اس کو پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کے رسول کتنے حکیم اور مردم شناس تھے۔ آپ کے بروقت فیصلوں نے اسلام کو پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ لوگوں کی نفسیات کو پہچانتے تھے۔ جیسی شخصیت ہوتی اس کی حیثیت کے مطابق اس سے سلوک کیا جاتا۔

فتح مکہ کے موقع پر کچھ ایسی خواتین بھی تھیں جنھوں نے اسلام قبول کر لیا مگر ان کے خاوند اس نعمت سے فی الحال محروم تھے۔ انھیں خواتین اسلام میں ایک نام ولید بن مغیرہ (2) کی صاحبزادی کا بھی آتا ہے جو صفوان بن امیہ (3) کی زوجیت میں تھی۔ انھوں نے تو اسلام قبول کر لیا جبکہ ان کے شوہر صفوان بن امیہ مکہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے چچا زاد وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ کے لیے امان کا پروانہ جاری فرما کر انھیں بلانے کے لیے بھیجا۔ وہب نے بطور نشانی کوئی چیز مانگی تاکہ صفوان کو تسلی ہو جائے۔ صفوان اپنے دور کے بڑے مشہور اور نامور لوگوں میں سے تھے، مال و دولت کی فراوانی تھی اور خاصے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔

اللہ کے رسول نے اپنی چادر مبارک بطور نشانی وہب کو عطا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ دیکھو اسے اسلام کی دعوت دینا، اگر قبول کر لے تو بہت بہتر، ورنہ اسے دو ماہ کی مہلت دینا کہ وہ اس دوران میں خوب غور و فکر کر لے اور اسے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی آزادی ہے۔

ادھر جب وہب، صفوان کے پاس پہنچے اور اسے نبی ﷺ کی چادر دکھا کر دعوتِ اسلام دی تو وہ مطیع وفرمانبردار ہو کر مکہ کی جانب چل دیے۔ جب اللہ کے رسول کو دیکھا تو سواری پر سے چادر دکھائی اور کہنے لگے:

''اے محمد! وہب بن عمیر آپ کی چادر بطور نشانی لے کر میرے پاس آیا تھا کہ آپ نے مجھے امان دی ہے اور آپ نے میرا معاملہ میرے سپرد کر دیا ہے۔ اگر اسلام لے آؤں تو بہتر ورنہ دو ماہ کے لیے مجھے فیصلہ کرنے کی آزادی ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«انْزِلْ أَبَا وَهْبٍ»

''ابو وہب! نیچے اترو۔''

صفوان بن امیہ نے عرض کی:

«لاَ، وَاللهِ! لاَ أَنْزِلُ حَتَّى تُبَيِّنَ لِي»

''نہیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نیچے نہیں اتروں گا جب تک کہ آپ میرے سلسلے میں وضاحت نہ فرمادیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''دو ماہ کیا، بلکہ تیرے لیے چار ماہ کے لیے اجازت ہے۔''

اسی دوران میں غزوۂ حنین کا معرکہ درپیش ہوا۔ آپ کو ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ آپ نے ایک شخص کو صفوان بن امیہ کے پاس ہتھیار اور آلاتِ حرب وضرب ادھار مانگنے کے لیے بھیجا۔

صفوان کہنے لگا:

«عَارِيَةً أَمْ غَصْبًا؟»

''یہ ہتھیار آپ مجھ سے عاریتاً لے رہے ہیں یا زبردستی چھین رہے ہیں؟''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا بَلْ عَارِيَةً»

''نہیں نہیں، ہم تو عاریتاً لے رہے ہیں۔''

غرض صفوان بن امیہ نے جو کچھ بھی سامان حرب وضرب ان کے پاس موجود تھا' رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عاریتاً پیش کر دیا۔ سنن ابوداود میں مروی ہے کہ صفوان بن امیہ نے تیس اور چالیس کے درمیان زرہیں رسول اکرم ﷺ کو دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غزوۂ حنین میں فتح ونصرت سے نوازا۔ قبیلہ ہوازن کو شکست فاش ہوئی اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جنگ کے بعد صفوان کی امانت واپس کرنے کے لیے زرہیں اکٹھی کی گئیں۔ معلوم ہوا کہ چند زرہیں غائب ہیں جو دورانِ جنگ یا تو ٹوٹ گئیں یا گم ہو گئیں۔

رسول اکرم ﷺ نے صفوان بن امیہ سے فرمایا:

«إِنَّا قَدْ فَقَدْنَا مِنْ أَدْرَاعِكَ أَدْرَاعًا فَهَلْ نَغْرِمُ لَكَ؟»

''تمھاری کچھ زرہیں گم ہو گئی ہیں، کیا ہم ان کا معاوضہ ادا کریں؟''

صفوان بن امیہ نے عرض کیا:

«لَا، يَا رَسُولَ اللهِ! لِأَنَّ فِي قَلْبِي الْيَوْمَ مَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ»

''نہیں اے اللہ کے رسول! (مجھے ان کا معاوضہ نہیں چاہیے) کیونکہ آج میرے دل میں (آپ کے بارے میں) وہ محبت موجود ہے جو اس دن نہیں تھی''۔

پھر انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ (رضی اللہ عنہ)(4)

(1) امام مالک بن انس بن مالک اصبحی رحمہ اللہ کے پردادا ابوعامر نافع نے اسلام قبول کر کے بقول قاضی عیاض صحبتِ رسول کا شرف پایا۔ ان کے دادا مالک نے یمن سے حجاز میں آ کر سکونت اختیار کی اور اُن کی روایت حدیث معتبر خیال کی جاتی تھی۔ امام مالک 93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ وہ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور امام دارالہجرت کہلاتے تھے۔ وہ تمام عمر مدینہ میں رہے۔ خلیفہ منصور کے گورنر مدینہ نے طلاق المکرہ کے مسئلے پر انھیں پٹوایا۔ امام مالک رحمہ اللہ 179ھ میں وفات پا گئے۔ ان کی کتاب ''مؤطا'' حدیث اور فقہ کا مجموعہ ہے۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ج 18 ص 372 تا 378)

(2) ولید بن مغیرہ مخزومی دشمن اسلام قریشی سردار تھا۔ وہ اس وفد کا رکن تھا جو ابوطالب کے پاس گیا تھا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو تبلیغ اسلام سے روکیں یا اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ حج کے موقع پر اسی کی تجویز پر قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''ساحر'' مشہور کیا (تب سورۂ مدثر کی آیات 11 تا 30 نازل ہوئیں) ولید 1ھ میں مکہّ میں مر گیا۔ اس کے سات بیٹوں میں سے تین مسلمان ہو گئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے تھے۔

(3) صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا باپ اُمیّہ بن خلف غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کی تالیفِ قلب کے لیے اُنھیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔ پھر وہ اسلام لے آئے۔ عہدِ جاہلیت میں وہ اشراف قریش میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے مکہّ میں 42ھ میں وفات پائی۔

(4) دیکھیے: مؤطا امام مالک' کتاب النکاح:13/2' مصنف عبدالرزاق:180/8' سیرۃ ابن ہشام: 440/2، ابوداود:3563 وغیرہ۔

چور کی ہوشیاری

قبیلہ انصار کا ایک آدمی ابوطعمہ [1] نامی تھا' ایک مرتبہ اس نے ایک زرہ چوری کر لی اور اسے آٹے کی ایک تھیلی میں چھپا کر لے چلا مگر اتفاق سے اس کی تھیلی میں سوراخ ہو گیا اور اس سے تھوڑا تھوڑا آٹا گرنے لگا۔ جس گھر سے اس نے چوری کی تھی وہاں سے اس کے گھر تک آٹا گرنے کی وجہ سے نشانات ظاہر تھے۔ اب لوگوں کو گمان ہونے لگا کہ اسی آدمی نے زرہ چوری کی ہو گی، چنانچہ اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ابوطعمہ ہی نے زرہ چرائی ہے جبکہ بعض لوگ اس بات کی تردید کرتے تھے اور وہ ابوطعمہ کو بری قرار دے رہے تھے۔

اسی دوران میں ابوطعمہ ایک یہودی کے گھر گیا اور اس نے یہودی کے پاس وہ زرہ بطور امانت رکھ دی۔ پھر اپنے گھر آیا اور خاندان والوں سے کہنے لگا: جب لوگوں نے میرے اوپر یہ الزام تراشی کی کہ میں نے ہی زرہ چوری کی ہے تو میں نے اس سلسلے میں تفتیشی کارروائی کی کہ آخر چور کون ہے؟ میں نے جگہ جگہ اس کا پتہ لگایا مگر چور کا پتہ نہ لگ سکا' آخر بڑی محنت اور تگ و دو کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ درحقیقت وہ زرہ فلاں یہودی کے پاس ہے' لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسی نے وہ زرہ چوری کی ہے۔

خاندان والے ابوطعمہ کی چکنی چپڑی باتیں سن کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ لوگوں کے روبرو ابوطعمہ کی براءت کا اعلان فرما دیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی باتیں غور سے سنیں اور سچ مچ

ابوطعمہ کی براءت کا اعلان کرنے کا ارادہ فرمالیا۔مگر اس اعلانِ براءت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ پر وحی نازل فرمادی جس سے آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ حقیقی چور وہ یہودی نہیں؛ بلکہ وہ انصاری ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو ایک خائن شخص کی سفارش کے ارادے سے منع فرمادیا اور اللہ کی کتاب کے ذریعے سے فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ ○ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۚ‏ ○ وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ۙ﴾

’’یقیناً ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جس سے اللہ نے آپ کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گناہ گار اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔‘‘ (سورۃ النساء:105-107)(2)

---

(1) ابوطعمہ کا نام بشیر بن ابیرق تھا۔ وہ منافق تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف اشعار کہتا اور دوسروں کی طرف منسوب کردیتا مگر مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ یقیناً یہ اشعار اسی خبیث کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابوطعمہ بھاگ کر مکہ گیا اور مرتد ہوگیا۔ اس نے چوری کی نیت سے ایک گھر کی دیوار میں سوراخ کیا، وہ دیوار اس پر گر گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔

(2) دیکھیے: اقضیة رسو ل الله صلى الله عليه وسلم:720/2، معانی القرآن للزجاج: 110/2 و رواہ ایضاً الطبری و القرطبی فی تفسیرھما و الترمذی:3036

مسلمان کی عزت

اسلامی تاریخ میں قاضی ابوعبداللہ شریک بن عبداللہ نخعی الکوفی(1) کا نام بطور جج اور قاضی بڑا مشہور ہے۔فیصلوں کے حوالے سے ان کے کتنے ہی واقعات ہیں۔عمر بن ہیّاج بن سعید ہمدانی جو قاضی شریک کے دوست تھے، کہتے ہیں کہ ایک دن صبح سویرے میں قاضی سے ملنے کے لیے ان کے گھر گیا۔ انھوں نے دروازہ کھولا۔ میں نے دیکھا کہ انھوں نے چمڑے کا کوٹ پہنا ہوا تھا، اس کے نیچے قمیص نہیں تھی۔

میں نے ان سے کہا: عدالت کا وقت ہو چکا ہے اور آپ ابھی تک اس لباس میں ہیں۔ کہنے لگے: کل میں نے کپڑے دھوئے تھے، وہ ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ میں ان کے خشک ہونے کا انتظار کر رہا ہوں......تم بیٹھو......میں بیٹھ گیا۔

انھوں نے پوچھا: شرع میں اس غلام کا کیا حکم ہے جو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لے؟ میں نے کہا: آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ ابھی ہمارے درمیان گفتگو جاری تھی کہ یکا یک ایک آدمی زخمی کندھے کے ساتھ شور مچاتا ایک عیسائی کے ساتھ قاضی شریک کے گھر میں داخل ہوا۔ اس نے دہائی دی کہ اللہ کے لیے میری مدد کرو، اس وقت اللہ کے بعد صرف قاضی ہی ہے جو میری مدد کرسکتا ہے۔ اس کی پشت پر کوڑوں کے نشانات تھے۔ اس نے قاضی کو سلام کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں مزدور آدمی ہوں، نقش و نگار کا کام کرتا ہوں، کم وبیش ایک سو درہم ماہوار کما لیتا ہوں۔ اس عیسائی نے مجھے بیگار میں پکڑ لیا ہے اور چار ماہ تک مجھ سے کام لیتا رہا ہے۔ میرے بیوی بچے علیحدہ

پریشان ہیں، کھانے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں۔ میں اس کی حراست سے آج بھاگ آیا تھا کہ اچانک اس نے مجھے دوبارہ پکڑ لیا اور میرے ساتھ جو سلوک کیا اس کی گواہی میری پشت دے رہی ہے۔ کوڑوں سے مار مار کر مجھے لہولہان کر دیا ہے۔

دراصل اس عیسائی کو خلیفہ مہدی کی بیوی خیزران نے امیر کوفہ موسیٰ بن عیسیٰ[1] کی طرف اپنے خصوصی خط کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ یہ میرا خاص آدمی ہے، اس کا خیال رکھا جائے اور اس کی حکم عدولی نہ کی جائے۔

قاضی شریک نے مزدور سے یہ مقدمہ سن کر عیسائی سے کہا: مزدور کے برابر بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا: ابو عبداللہ! تمھاری خیر ہو۔ یہ ہمارا نوکر ہے، اس کو فوراً جیل بھجوا دو۔ قاضی نے کہا: اس سے پہلے تم اُٹھو، جو حکم تمھیں دیا ہے اس پر عمل کرو، اس کے ساتھ بیٹھو۔ اب اس کے پاس اس مزدور کے ساتھ بیٹھے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو قاضی شریک نے اس عیسائی سے کہا کہ اس شخص کی پشت پر جو نشانات ہیں وہ کیا ہیں اور اس کو کس نے مارا ہے؟

اس نے کہا: قاضی کی خیر، میں نے خود اپنے کوڑے سے اسے مارا ہے۔ یہ اور زیادہ مار کا مستحق ہے، آپ اس کو فوراً جیل بھجوا دیں۔

قاضی شریک گھر میں گئے اور اپنا کوڑا لیے باہر آئے اور اس عیسائی کو مارنا شروع کر دیا۔ اس آدمی سے کہا کہ تم اپنے گھر جاؤ۔

پھر اس عیسائی کو مارتے ہوئے کہا: اے بیوقوف! اپنی گردن آگے بڑھا۔

«لَا تَضْرِبُ وَاللهِ الْمُسْلِمَ بَعْدَهَا أَبَدًا»

''اللہ کی قسم! آج کے بعد تو کسی مسلمان کو نہیں مار سکتا۔''

اس دوران میں اس عیسائی کے کئی ساتھیوں نے اسے چھڑوانے کی کوشش کی تو

قاضی شریک نے محلے کے نوجوانوں کو مدد کے لیے بلایا کہ اس عیسائی کے ہمراہیوں کو پکڑ کر جیل بھجوا دو۔ تب اس عیسائی کے تمام معاون اور مددگار بھاگ گئے اور عیسائی اکیلا رہ گیا۔ اب تو وہ رو رہا تھا، منتیں کر رہا تھا اور دھمکیاں بھی دے رہا تھا کہ تمھیں پتا چل جائے گا۔

قاضی شریک نے اپنا کوڑا دروازے میں پھینکا اور میری طرف (عمر بن ہیّاج کی طرف جو کہ راوی قصہ ہیں) متوجہ ہو کر بولے: ہاں اے ابوحفص! ہم کیا کہہ رہے تھے؟ جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرے اس کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

اب ہم دوبارہ وہی بحث کر رہے تھے جس کا آغاز اس صبح کیا تھا۔ گویا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

نصرانی بڑی خفت کے ساتھ اٹھا اور اپنے خچر پر سوار ہونے لگا مگر اس نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ کوئی شخص اس کی مدد کرنے کے لیے موجود نہ تھا جو اس کی رکاب پکڑتا اور اسے سوار کرواتا...... اب اس نے غصے میں اپنے خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ قاضی شریک نے اسے پکارا: تیرا برا ہو، اس جانور کے ساتھ رحم کرو۔ یہ تم سے کہیں زیادہ اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہے...... وہ عیسائی یہ سن کر غصے میں جلتا بھنتا چل دیا۔

قاضی شریک نے مجھے دوبارہ فقہی بحث کی طرف متوجہ کیا۔

میں نے کہا: جو واقعہ ہوا ہے اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔

قاضی نے کہا:

«اسْكُتْ . . . أَعِزَّ أَمْرَاللهِ يُعِزَّكَ اللهُ»

''خاموش رہو!...... اللہ کے احکامات کو مستحکم کرو...... اللہ تمھیں عزت دے

گا۔'' پھر کہا:

''جو گفتگو ہم کر رہے تھے اس کو جاری رکھو اور جہاں تک آج کے واقعے کا تعلق ہے ہو سکتا ہے اس کا انجام اچھا نہ ہو۔''

وہ عیسائی شکایت لے کر گورنر کوفہ موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس چلا گیا۔

اس نے نہایت ناراض ہو کر پوچھا کہ تمھیں کس نے مارا ہے؟ پولیس کا سربراہ اور اس کے ساتھی سب ناراض ہوئے کہ وہ کون ہے۔ ابھی اس کا علاج کرتے ہیں۔ عیسائی نے کہا کہ قاضی شریک نے میرے ساتھ ایسے ایسے کیا ہے۔

گورنر نے کہا:

«وَاللهِ مَا أَتَعَرَّضُ لِشَرِيكٍ»

''اللہ کی قسم! میں شریک کے معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

عیسائی وہاں سے بغداد چلا گیا اور مڑ کر کبھی کوفے کا رخ نہ کیا۔

---

(1) قاضی شریک بن عبداللہ بن ابوشریک ذی فہم اور ذہین وفطین عالم تھے۔ ان کے دادا ابوشریک حارث نے جنگ قادسیہ میں شرکت کی۔ قاضی شریک 95ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ مہدی نے انھیں کوفہ کا قاضی مامور کیا۔ بعد میں وہ اہواز کے قاضی بنے۔ انھوں نے کوفہ میں 177ھ میں رحلت فرمائی۔ خلیفہ ہارون رشید ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لیے بغداد سے آیا۔

(وفیات الاعیان۔ ج 2 ص 464-468)

جھوٹی قسم کھانے کا انجام

الحاج ابراہیم کے پاس اس کا ایک دوست آیا اور کہنے لگا: کچھ رقم کی ضرورت ہے، مجھے قرض دے دو، میں ایک سال کے اندر لوٹا دوں گا۔ رقم دے کر الحاج ابراہیم نے اپنے رجسٹر میں اندراج کرلیا۔ اس کے دوست نے کہا کہ میں زرضمانت کے طور پر کوئی چیز رکھنے کو تیار ہوں۔ الحاج ابراہیم نے کہا کہ نہیں، تم میرے عزیز دوست ہو، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرے تمھارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ وہ نعم الوکیل اور نعم الشھید (بہت اچھا گواہ) ہے۔ ابھی سال نہیں گزرا تھا کہ الحاج ابراہیم کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ وفات پا گیا۔ اس کے لواحقین میں اس کی بیوہ اور چار بچے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ ایک دن بیوی نے اپنے خاوند کے رجسٹر کو چیک کیا۔ کس سے کیا لینا ہے؟ کس کو کیا دینا ہے؟ اس میں تمام حسابات درج تھے۔ اس نے دیکھا کہ اس کے فلاں دوست نے قرض لیا تھا اور ایک سال بعد دینا ہے۔ اس نے اپنے شوہر کے دوست کو پیغام بھیجا اور اس سے قرض کا مطالبہ کیا مگر اس نے جواباً یہ کہلا بھیجا کہ میں نے حاجی ابراہیم سے کوئی قرض نہیں لیا، لہٰذا واپس دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... جب اس پر دباؤ ڈالا گیا تو اس نے کہا: ہاں یاد آیا کہ میں نے رقم بطور ادھار لی تھی مگر وہ تو مدت ہوئی واپس کر دی تھی۔ اب لوگوں میں یہ بات پھیل گئی۔

دو گروہ بن گئے: ایک گروہ الحاج ابراہیم کے ساتھ تھا کہ اس کے بارے میں یہ امر معروف تھا کہ وہ لوگوں کو رب کی رضا کی خاطر قرض دیا کرتا تھا اور کسی سے زرضمانت نہیں رکھواتا تھا اور نہ تحریر لیا کرتا تھا۔ دوسرا گروہ اس شخص کے ساتھ تھا جس

نے قرض لیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ نامعقول بات ہے کہ حاجی ابراہیم جیسا سمجھ دار شخص اتنا قرض دے اور بغیر کسی تحریر یا ضمانت کے دے دے۔

اب اس بیوہ نے علاقے کے بااثر لوگوں کے ذریعے سے اس شخص پر دباؤ ڈالا کہ وہ رقم واپس کرے۔ مگر ادھر سے مکمل انکار تھا۔ مایوس ہو کر اس عورت نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عدالت نے فریقین کو بلوایا۔ دونوں فریق عدالت میں حاضر ہوئے۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد جج نے کہا:

میری ذاتی رائے میں اس شخص نے بلاشبہ حاجی ابراہیم سے قرض لیا تھا اور اس نے اس کا اندراج بھی کیا تھا۔ مگر رجسٹر میں لکھ دینا کافی نہ تھا۔ اس پر دستخط لینے ضروری تھے۔

اب یہ کہتا ہے کہ اس نے قرض واپس کر دیا تھا اور اس بات کی گواہی بھی ملی ہے کہ ایک شخص نے خود قرض لینے والے سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا: اللہ حاجی ابراہیم کو جزائے خیر عطا فرمائے، اس نے میرے ساتھ بہت نیک سلوک کیا۔ مجھے فقر و فاقے سے بچا لیا۔ مجھے رقم کی ضرورت تھی۔ عین وقت پر رقم دے کر اس نے میری ضرورت پوری کی۔

جج نے کہا کہ ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ رقم واپس ہوئی ہے یا نہیں۔ عدالت کے نزدیک دعویٰ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلیل پیش کرے۔ اور جو اس کو قبول نہ کرے اور انکار کرے اس کے لیے قسم ہے۔ اسی لیے میرا فیصلہ ہے کہ مدعا علیہ قرآن کریم کی قسم کھائے اور کہے کہ وہ حاجی ابراہیم کا قرض دار نہیں ہے اور اس نے جو قرض لیا تھا واپس کر دیا تھا۔

مدعا علیہ نے قسم کھانی شروع کی:

میں قسم کھاتا ہوں...... پھر قسم کھاتا ہوں...... اور اس نے بیان مکمل کر دیا کہ میں نے قرض واپس کر دیا تھا۔

عدالت نے اسے بری کر دیا۔

مدعا علیہ بڑے فخر کے ساتھ خوشی خوشی عدالت سے باہر نکلا۔ وہ بالکل تندرست اور ہٹا کٹا نوجوان تھا۔ جیسے ہی اس نے عدالت سے باہر قدم رکھا، لوگوں نے ایک شور سنا۔ مدعا علیہ...... زمین پر گرا پڑا تھا۔ اس کے جسم کا ایک سرا عدالت کے اندر اور دوسرا باہر تھا۔ لوگوں کے منہ سے خوف کے مارے دبی دبی سی چیخیں نکلیں۔ وہ مر گیا...... ہائے کیسے...... وہ تو نہایت جوان تھا۔ مر گیا...... مر گیا۔

اس قصے کا راوی بیان کرتا ہے کہ میں الحاج ابراہیم کا پڑوسی تھا۔ میں بھی عدالت میں حاضر تھا۔ اس کی عبرتناک موت سے میں خاصا متاثر تھا، چنانچہ میں الحاج ابراہیم کے گھر چلا گیا۔ پردے میں اس کی بیوی سے جو بات چیت ہوئی وہ کچھ اس طرح تھی۔

میرا خاوند نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھا۔ وہ لوگوں کے کام آتا۔ ان کی چھوٹی موٹی حاجات پوری کرتا۔ اس کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے؛ غریب بھی، امیر بھی، اور سفید پوش بھی۔ وہ لوگوں کو قرضے دیا کرتا تھا۔ بعد میں حدیث رسول اکرم ﷺ کے مطابق غربا اور فقرا کو معاف کر دیتا اور امیروں کو مہلت دے دیتا۔ اس نے ایک رجسٹر تیار کر رکھا تھا جس میں وہ ان قرضوں کی تفصیل لکھ لیتا۔ قرض لینے والوں سے اس نے کم ہی دستخط کروائے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ اس کو توجہ دلائی کہ تم کم از کم لوگوں سے لکھوا تو لیا کرو۔ اس کے جواب میں وہ ایک ہی بات کہتا:

«اَلْمَالُ مَالُ اللهِ وَقَدْ كُنْتُ فَقِيرًا فَأَغْنَانِي اللهُ»

''یہ مال و دولت اللہ کا مال ہے۔ میں کسی زمانے میں فقیر تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے غنی کیا ہے۔''

فیصلے کے دن بطور مدعی میں بھی عدالت میں حاضر تھی۔ جب قاضی نے اس شخص کو بری قرار دیا اور اس نے جھوٹی قسم کھائی تو میرا بدن کانپ اٹھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اس شخص نے اللہ کی کتاب کو واسطہ بنانے کی جرأت کی ہے اور اس کی جھوٹی قسم کھائی ہے۔ میرے دل میں نفرت کی لہر اٹھی اور میرے دل سے بددعا نکلی:

«اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى وَإِنَّكَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ كَاذِبًا فِي قَسَمِهِ وَيَمِينِهِ فَاجْعَلْهُ عِبْرَةً لِلنَّاسِ يَا قَوِيُّ يَا جَبَّارُ»

''اے اللہ! تو خفیہ اور پوشیدہ باتیں جانتا ہے، تجھے غیب کا علم ہے۔ اے اللہ! اگر یہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا ہے تو اسے لوگوں کے لیے عبرت بنا دے، اے قوی، اے جبار!''

اور پھر میں نے اپنی آنکھوں سے اسے عدالت سے باہر گرتے دیکھا......
بلاشبہ وہ دنیا کے حاکم سے بری ہو گیا تھا مگر زمین و آسمان کے حاکم سے نہ بچ سکا۔

اور پھر ایک شدید سرد رات کو جب لوگ اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے، رات گئے الحاج ابراہیم کے گھر کی گھنٹی بجنے لگی۔ دروازے پر ایک باوقار پردہ دار عورت اپنے چھ سالہ بچے کے ساتھ کھڑی تھی۔ الحاج ابراہیم کی بیوی نے دروازہ کھولا۔ سامنے اس قرضدار کی بیوی اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ کھڑی تھی۔

اس نے الحاج ابراہیم کی بیوی سے کہا کہ میرے خاوند نے بھری عدالت میں

جھوٹ بولا کہ اس نے الحاج ابراہیم کا قرض واپس کر دیا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے اسے سمجھانے کی پوری کوشش کی کہ وہ ایسا نہ کرے اور ان کا مال واپس کر دے۔ میرے بار بار اصرار کے باوجود وہ گمراہی اور ضلالت میں ڈوبا رہا۔ میرے خاوند نے اپنے جھوٹ اور فراڈ کی بہت زیادہ قیمت چکائی ہے اور اب میں یہ رقم لے کر تمھارے پاس آئی ہوں۔ اس کو قبول کر لو۔ اس طرح وہ رقم دے کر واپس چلی گئی۔

محترم قارئین! اس واقعے اور قصے میں کتنی ہی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ...... کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟

فریب کی بو

خلیفہ معتضد باللہ ایک مرتبہ اپنے زیر تعمیر محل کا معاینہ کرنے کے لیے گیا۔ اس نے مختلف زاویوں سے محل کو دیکھا۔ کاریگر' اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ معمار اور مزدور تیزی سے ہاتھ چلا رہے تھے۔ اس نے ایک کالے رنگ کے حبشی کو دیکھا جو دوسرے مزدوروں کے ساتھ سر پر ٹوکری اٹھائے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ دوسرے مزدور ایک ایک سیڑھی چڑھتے مگر وہ دو دو کر کے چڑھتا۔ علاوہ ازیں دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں اس کے سر پر رکھی ٹوکری خاصی بڑی اور بھاری تھی۔ اس کی غیر معمولی حرکات کے پیش نظر خلیفہ نے حکم دیا کہ اس حبشی کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔

حبشی سے اس نے پوچھا کہ تم دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں زیادہ مٹی اٹھا رہے ہو اور سیڑھیاں بھی ایک ایک کی بجائے دو دو چڑھ رہے ہو۔ اس کا سبب کیا ہے؟ اس سے کوئی جواب نہ بن پایا اور آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔

خلیفہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ اس کی باتوں سے مجھے جھوٹ اور فریب کی بو آرہی ہے۔ یہ شخص یا تو چور ہے اور دن کے وقت کام کر کے اپنے آپ کو چھپائے رکھتا ہے۔ یا کسی جگہ سے خزانہ اس کے ہاتھ لگا ہے اور غیر متوقع طور پر اس کے پاس درہم و دینار آ گئے ہیں۔

اس نے دوبارہ اس حبشی کو بلایا اور اس کو زور سے تھپڑ مارا اور کہا کہ سچ سچ بتاؤ تمھارا معاملہ کیا ہے، میرے سوالات کا صحیح جواب دو ورنہ ابھی تمھیں قتل کروا دوں گا۔ پہلے تو حبشی ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور کسی جرم کو ماننے سے انکار کرتا رہا مگر جب اس پر مزید سختی کی گئی تو کہنے لگا کہ امیر المؤمنین اگر میری جان بخشنے کا وعدہ

کریں تو میں سچ سچ بتا دیتا ہوں۔

خلیفہ کہنے لگا کہ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت نہ کی ہو جس سے تم پر حد لاگو ہوتی ہو تو تمھیں امان ہے۔ اس نے سمجھا کہ مجھے امان مل گئی ہے۔

کہنے لگا: میں فلاں محلے میں بار برداری کا کام کرتا تھا۔ اجرت پر کبھی کام مل گیا کبھی سارا دن فارغ۔ ایک مرتبہ خاصا عرصہ مجھے کوئی کام نہ ملا۔ میں ایک مدت تک فارغ رہا۔ ایک دن میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں تھیلی پکڑے ہوئے گزر رہا ہے۔ میں نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ میں اس کے لیے اجنبی تھا، لہٰذا اس نے مجھ پر کوئی توجہ نہ دی۔ ایک ویران جگہ مجھے موقع مل گیا۔ میں نے جھپٹ کر اس کی تھیلی چھین لی اور اس کو کھول کر دیکھا تو وہ دیناروں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ میرے پیچھے آیا تو میں نے اسے نیچے گرا کر اس کا گلا دبا لیا۔ اس نے چیخنا چاہا تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تڑپتا رہا مگر میں نے اس کو اس وقت چھوڑا جب اس کی سانسیں ختم ہو چکی تھیں۔ میں نے اس کو کندھے پر اٹھایا۔ رات ہو چکی تھی۔ میں سیدھا اپنے گھر آیا اور لاش کو تنور میں ڈال کر اسے آگ لگا دی جو جل کر سیاہ ہو گئی۔ میں نے تنور میں مٹی ڈال دی۔ میرے پاس دینار تھے جو مجھے تقویت دے رہے تھے۔ میں نے اگلے دن اس کی ہڈیاں نکالیں اور انھیں دریائے دجلہ میں بہا دیا۔

خلیفہ نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا اور ایک آدمی کو بھیجا کہ اس کے گھر سے دیناروں کی تھیلی لے آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی تھیلی لے کر آ گیا۔ اسے دیکھا گیا تو اس کے اوپر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا۔ شہر میں اس کے نام کی منادی کروائی گئی۔ اس کی بیوہ نے اعلان سنا تو بھاگتی ہوئی آئی کہ یہ منادی میرے خاوند

کے نام کی ہے جو کئی ہفتوں سے غائب ہے۔ ہم نے اس کو ہر جگہ تلاش کیا ہے مگر وہ نہیں مل سکا۔ وہ فلاں دن فلاں تاریخ کو ایک ہزار دینار لے کر گھر سے نکلا تھا۔ میرے خاوند کا ایک چھوٹا بیٹا ہے۔ خلیفہ نے وہ دینار اس عورت کو دینے اور اس حبشی کی گردن مارنے کا حکم دیا اور کہا کہ اس کی لاش کو تنور میں ڈال دیا جائے اور اس کی ہڈیوں کو دجلہ میں بہا دیا جائے۔ (1)

(۱) عجائب القصص (۱۰۲)، منصور بن ناصر العواجی۔

مجھ سے اپنا بدلہ لے لو

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زریں عہد تھا۔ مسلمان فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ امیر المؤمنین مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ حکم یہ تھا کہ جنگوں کے بارے میں فوری معلومات دی جائیں اور ہدایات لی جائیں۔ جنگ کا جو بھی نتیجہ ہو فوری طور پر ہیڈ کوارٹر میں اطلاع دیں۔

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ[1] کا بیان ہے کہ ہم چند لوگ ایک عظیم خوشخبری سنانے کے لیے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دریافت فرمایا: آپ لوگوں نے کونسی جگہ قیام فرمایا؟ ہم نے عرض کی: فلاں جگہ۔

امیر المؤمنین ہمارے ساتھ ہمارے پڑاؤ کی طرف چلنے لگے جہاں ہم نے اونٹوں کو بھی باندھ رکھا تھا' اور اونٹوں کی حالت یہ تھی کہ مسلسل بھوک کی شدت سے وہ کمزور ہو چکے تھے اور کئی دنوں کے سفر نے انھیں تھکا دیا تھا۔ اونٹوں کی حالت زار دیکھتے ہی امیر المؤمنین گویا ہوئے:

«هَلاَّ اتَّقَيْتُمُ اللهَ فِي رِكَابِكُمْ هٰذِهِ ! أَمَا عَلِمْتُمْ أَنَّ لَهَا عَلَيْكُمْ حَقًّا ؟ هَلاَّ أَرْخَتُمُوهَا فَأَكَلَتْ مِنْ نَبَاتِ الأَرْضِ !»

''کیا تمھیں ان سواریوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر نہیں لگتا۔ کیا تمھیں اس بات کی خبر نہیں ہے کہ ان چوپایوں کے بھی تمھارے اوپر حقوق ہیں؟ تم نے ان اونٹوں کو راستے میں کچھ دیر آرام کے لیے کیوں نہ چھوڑ دیا تا کہ یہ زمین کی نباتات کھا لیتے!''

ہم نے عرض کی: امیر المؤمنین! عظیم فتح و کامرانی کی خوشخبری لے کر ہم تیزی

کے ساتھ بھاگتے دوڑتے آپ کی خدمت میں چلے آئے ہیں تا کہ آپ اور دیگر مسلمانوں کو اس خوشخبری سے خوشی ہو اور ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں نے راستے میں اپنی سواریوں کو روکنا گوارا نہیں کیا۔

امیر المؤمنین ہماری باتیں سن کر لوٹ گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اسی دوران میں ایک آدمی شکایت لے کر حاضر ہو گیا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! فلاں شخص نے مجھ پر ناحق ظلم و زیادتی کی ہے' آپ اس کے خلاف میری مدد کریں۔

امیر المؤمنین نے اپنا کوڑا بلند کیا اور اس کے سر پر دے مارا اور فرمانے لگے:

«تَدَعُونَ عُمَرَ، حَتَّى إِذَا شُغِلَ فِي أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ أَتَيْتُمُوهُ وَقُلْتُمْ: أَغِثْنِي أَغِثْنِي»

''عجب تماشا ہے کہ تم لوگ (خالی اوقات میں) عمر کے سامنے اپنا قضیہ پیش نہیں کرتے ہو' مگر جب عمر مسلمانوں کے اہم معاملات کو سلجھانے میں مصروف ہو جاتا ہے تو پھر تم آ کر کہنے لگتے ہو کہ میری مدد کرو، میری مدد کرو!''

چنانچہ وہ آدمی خود کو ملامت کرتے ہوئے واپس ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے فوراً ہی اس آدمی کو واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے اپنا کوڑا اس آدمی کے آگے ڈال دیا اور کہنے لگے: اِقْتَصَّ...... ''مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔'' وہ کہنے لگا: نہیں' میں بدلہ نہیں لوں گا بلکہ میں اسے اللہ کے لیے اور آپ کے لیے چھوڑتا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا: ایسا نہیں ہوگا' یا تو تم اللہ کے لیے درگزر کرو اور اس کا بدلہ اسی سے مانگو' بصورت دیگر مجھ پر چھوڑ دو (پھر ایسی صورت میں تمھیں مجھ سے قصاص لینا پڑے گا۔) وہ کہنے لگا: نہیں نہیں' میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے معاف کرتا ہوں۔

اس کے بعد امیر المؤمنین وہاں سے چل پڑے اور گھر پہنچے۔ ہم لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور خود کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

«يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! كُنْتَ وَضِيعًا فَرَفَعَكَ اللهُ وَكُنْتَ ضَالاًّ فَهَدَاكَ اللهُ وَكُنْتَ ذَلِيلاً فَأَعَزَّكَ اللهُ، ثُمَّ حَمَلَكَ عَلَى رِقَابِ النَّاسِ، فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَغِيثُكَ عَلَى مَنْ ظَلَمَهُ فَضَرَبْتَهُ، مَاذَا تَقُولُ لِرَبِّكَ غَدًا؟»

''ابن الخطاب! تو ایک خاکسار و متواضع آدمی تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے اعلیٰ مقام و مرتبے سے نوازا۔ تو گم گشتہ راہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت کی روشنی سے آشنا کیا۔ تو ایک ذلیل انسان تھا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے عزت و اکرام بخشا اور پھر لوگوں پر حکمران بنایا۔ مگر جب ایک آدمی اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے خلاف تجھ سے تعاون طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا تو تو نے اس کی پٹائی کر دی۔ ذرا بتا کہ کل قیامت کے روز تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا؟''

احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: امیر المؤمنین نے یہ کہہ کر اپنے اوپر اس طرح ملامت کی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پوری دنیا والوں میں اس وقت سب سے بہتر ہیں۔ (2)

---

(1) احنف بن قیس تمیمی رضی اللہ عنہ سن 3 قبل ہجرت/619ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ظہورِ اسلام پر بنو تمیم نے اسلام پر توجہ نہیں دی تھی، احنف ہی نے انھیں قبولِ اسلام پر مائل کیا۔ وہ بصرہ کے اوّلین باشندوں میں سے تھے۔ انھوں نے قم، کاشان اور اصفہان کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا اور ہرات، مرو، بلخ اور دوسرے علاقے فتح کیے۔ وہ جنگِ جمل میں غیر جانبدار رہے مگر جنگ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑے۔ 72ھ/691ء میں جب وہ مصعب بن زبیر کی فوج میں شامل ہو کر مختار ثقفی پر حملہ کرنے کوفے جا رہے تھے تو راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ بنو امیہ ان سے سیاسی مشورے لیتے رہتے تھے۔
(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج 2 ص 171-173)

(2) قصص العرب: 13-14/3

ہم نے بھی گواہی دی

موصل عراق کا مشہور شہر ہے۔ وہاں سے ایک تاجر اپنے بعض مویشیوں کے ساتھ حلب کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی شام اور عراق کی حدود علیحدہ نہ ہوئی تھیں۔ حلب مؤرخین کے مطابق دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شامل ہے اور آج کل سوریہ (شام) کا شہر ہے۔ تاجر نے اپنا قیام ایک مناسب درجے کے ہوٹل میں کیا۔ یہاں ان دنوں مویشیوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ اس نے اپنے مویشی جلد ہی فروخت کر دیے اور موصل کی راہ لی۔

ایک ڈاکو مسلسل اس تاجر کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس کی مسلسل نظر اس پر تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے پاس ایک خطیر رقم موجود ہے۔ تاجر راستے میں ایک ویران جگہ پر ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے رکا تو اس ڈاکو نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کی گردن پر اپنا خنجر رکھا اور کہا کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے نکال کر میرے حوالے کر دو۔ تاجر نے ادھر ادھر دیکھا اور شور مچایا کہ کوئی اس کو بچائے مگر اس ویران جگہ اس کی کون سُنتا؟ اس نے خاموشی سے اپنا تمام مال ڈاکو کے حوالے کر دیا۔ اب ڈاکو اسے قتل کرنے کے درپے ہوا۔ تاجر نے کہا کہ تم نے میرا تمام مال لے لیا ہے۔ اب تمھیں میری جان سے کیا غرض ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میرے اوپر رحم کھاؤ، مجھے قتل نہ کرو، مگر ڈاکو پر خون سوار تھا۔ اس نے اس کی منّت سماجت کی قطعاً کوئی پروا نہ کی اور اس کو قتل کرنے لگا۔ تاجر بالکل نہتا تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی اس کی مدد کرے۔ اچانک اس کی نظر اوپر درخت پر پڑی۔ اس کو دو کبوتر درخت پر بیٹھے نظر آئے۔ اس کی جان نکل رہی تھی۔ ڈاکو خنجر سے

اس پر پے در پے حملے کر رہا تھا کہ اچانک اس نے ان کبوتروں کو مخاطب کیا اور کہا:

«أَيَّتُهَا الْحَمَامَتَانِ! اشْهَدَا»

''اے کبوترو! تم گواہ رہنا۔''

ڈاکو نے اسے قتل کر دیا اور اس کے آخری الفاظ نہایت مزاحیہ انداز میں دہرانے لگا:

«أَيَّتُهَا الْحَمَامَتَانِ! اشْهَدَا»

''اے کبوترو! گواہ رہنا...... گواہ رہنا۔''

اب ڈاکو نے اپنا راستہ لیا۔ راستے میں بھی وہ مقتول کے الفاظ دہراتا رہا۔ اس کے لیے یہ گویا ایک لطیفہ تھا جو مرتے وقت تاجر نے بیان کیا تھا۔

ادھر اس تاجر کے اہل وعیال اس کی آمد کے منتظر تھے۔ دن گزرتے گئے مگر اس کی کوئی خبر نہ ملی، چنانچہ اس کا بڑا بیٹا اپنے والد کی تلاش میں حلب گیا۔ وہاں اس کو بتایا گیا کہ وہ فلاں تاریخ کو حلب آیا تھا' فلاں جگہ قیام کیا۔ فلاں کے ہاتھ اپنے مویشی فروخت کیے، اتنی رقم وصول ہوئی اور چند دنوں کے بعد حلب سے کچھ فاصلے پر ویرانے میں کسی نا معلوم شخص نے اسے خنجر کے وار سے قتل کر دیا اور ساری رقم چھین کر بھاگ گیا۔ تمھارے والد کو فلاں قبرستان میں دفنا دیا گیا۔

تاجر کا بیٹا حاکم شہر کے پاس گیا، وہاں دہائی دی، پھر قاضی کے پاس گیا اور اپنے والد کے دوستوں سے ملا کہ کسی طرح قاتل کا پتا چل سکے۔ اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود نتیجہ صفر رہا، کیونکہ نہ کوئی موقع کا گواہ تھا اور نہ قاتل نے کوئی نشان چھوڑا تھا۔ وہ مایوس ہو کر واپس موصل آ گیا۔ وہاں کے والی سے ملا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ اس نے فوری طور پر حلب کے حاکم کو خط لکھا۔ ایک مرتبہ پھر قاتل کی

تلاش شروع ہوئی۔ مگر ساری تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ قاتل کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ تھک ہار کر لواحقین صبر کر کے بیٹھ گئے اور اس مقدمے کی فائلوں کو بند کر دیا گیا۔

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ کتنے ہی سال بیت گئے۔ نجانے کتنے حاکم اور والی تبدیل ہوئے۔ کتنے ہی نئے قاضی آئے اور رخصت ہوئے۔ تاجر کے لواحقین اور دوست بھی بتدریج اس واقعے کو بھول گئے۔ اولاد بھی صبر کر کے بیٹھ گئی۔

مگر اس قصے کو ایک شخص نہیں بھولا۔ اور یہ وہ شخص تھا جس نے اس تاجر کو قتل کیا تھا۔ جب بھی وہ کسی کبوتروں کے جوڑے کو دیکھتا تو اسے مقتول کے الفاظ یاد آ جاتے کہ اے کبوترو! گواہ رہنا......

ایک دفعہ اس کے کسی قریبی رشتے دار کے ہاں تقریب تھی۔ یہ خاصا امیر کبیر شخص تھا، لہٰذا کھانے میں بہت زیادہ لوگ تھے جن میں شہر کے اعلیٰ حکام بھی شامل تھے۔ کھانا چنا گیا تو انواع واقسام کے کھانے سامنے تھے۔ قاتل نے ایک بڑے طبق سے ڈھکن اٹھایا تو سامنے دو بڑے کبوتر بھنے ہوئے پڑے تھے۔ اس آدمی نے ایک لمبی سانس لی اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک درخت' اس کے اوپر بیٹھے ہوئے کبوتر اور ایک مظلوم مقتول کی لاش گھوم گئی۔ اس کے کانوں میں مقتول کے الفاظ گونج رہے تھے: ''اے کبوترو! گواہ رہنا۔''

اور پھر اس نے غیر ارادی طور پر ایک زوردار قہقہہ لگایا...... لوگوں نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا کہ کیا ہوا ہے۔ اب اس نے کبوتروں کی طرف اشارہ کیا اور پھر قہقہہ لگایا اور ایک غیر مرئی طاقت نے اس کی زبان کھلوا دی۔ وہ دعوت کو بھول کر لوگوں کو قتل کا واقعہ سنانے لگا۔ اس کا ایک ایک جز' مکمل تفصیل سے سنایا' اس کی زبان نے کوئی چیز نہ چھوڑی۔ لوگ مبہوت ہو کر اس کی داستان سن رہے تھے۔

جیسے ہی اس نے اپنے راز کو افشا کیا تو اسے احساس ہوا کہ میں نے یہ کیا غلطی کر دی۔ برسوں سے جس واقعے کو لوگ بھول چکے تھے اور اس مقدمے کی فائلیں تک داخل دفتر ہو گئی تھیں اس نے خود اس کا چرچا کر دیا تھا......مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

چند گھنٹوں میں پورے حلب میں یہ واقعہ ہر شخص کی زبان پر تھا اور حلب کے حاکم کو بھی اطلاع مل گئی۔ اس نے فوراً اس شخص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ پولیس کے سربراہ نے باقاعدہ مقدمہ درج کروایا۔ اس دعوت میں شریک لوگوں کو گواہی کے لیے طلب کیا گیا۔ انھوں نے اپنے بیان دیے۔ مجرم کو بلوا کر گواہوں کے بیانات سامنے رکھے گئے۔ اس کے پاس اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ قاضی نے مجرم کو پھانسی کی سزا سنا دی۔

حلب کے حاکم نے کہا: «لَقَدْ شَهِدْنَا ....ہم نے گواہی دی۔

حلب کے قاضی نے کہا: «لَقَدْ شَهِدْنَا ....ہم نے بھی گواہی دی۔

پولیس کے چیف نے کہا «لَقَدْ شَهِدْنَا ....ہم نے بھی گواہی دی۔

لوگوں نے کہا: «لَقَدْ شَهِدْنَا ....ہم نے بھی گواہی دی۔

پھانسی سے ایک دن پہلے مجرم سے اس کی بیوی نے الوداعی ملاقات کی اور اس سے پوچھا کہ جب اتنے سالوں سے تمھارے اس جرم پر پردہ پڑا ہوا تھا تو پھر کیسے تم نے اس راز کو فاش کر دیا۔ اس نے جواب دیا:

«إِنَّ إِرَادَةً قَاهِرَةً شَلَّتْ إِرَادَتِي وَأَجْبَرَتْنِي عَلَى الْكَلَامِ»

”ایک زبردست صاحبِ ارادہ نے میرے ارادے کو (جس کے تحت میں نے یہ واقعہ کہیں بیان نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی) سلب کر لیا، اور مجھے بات کرنے پر

مجبور کر دیا۔"

اگلے روز صبح سویرے اس کی پھانسی کے منظر کو دیکھنے کے لیے بے شمار لوگ جمع تھے، جب اس کی گردن میں رسی ڈال دی گئی تو اس نے کہا:

«لَمْ أَتَكَلَّمْ بِلِسَانِي بَلْ بِلِسَانِ الْحَمَامَتَيْنِ اللَّتَيْنِ كَانَتَا فِي الطَّبَقِ الْمُسْتَقَرِّ أَمَامِي فِي دَعْوَةِ الْعَشَاءِ»

"میری زبان سے الفاظ نہیں نکلے تھے؛ بلکہ وہ کبوتروں کی زبان سے نکلے تھے جو دعوت کے روز میرے سامنے طبق میں پڑے تھے۔"

اب جلاد نے رسی کھینچ دی۔ لوگوں نے ایک مجرم کو کیفر کردار تک پہنچتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور سکھ کا سانس لیا...... اور پھر اچانک ہی تمام لوگ بے اختیار اللہ اکبر' الحمدللہ' لا الہ الا اللہ کے کلمات بلند کرنے لگے۔ اس وقت لوگوں نے دو کبوتروں کو دیکھا جو قاتل کے سر پر بغیر کسی حرکت کے بیٹھے تھے۔ تمام لوگوں نے بیک آواز کہا: «لَقَدْ شَهِدَتَا . . .» "ان دونوں کبوتروں نے بھی گواہی دے دی۔"

اس مقدمے میں دنیا کی عدالت بلاشبہ عاجز آ گئی۔ وہ قاتل کا سراغ نہ لگا سکی۔ قاتل ایک لمبی مدت تک آزاد دندناتا رہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی عدالت...... قاتل کی گھات میں تھی۔ اس کا راز آخر ظاہر ہو گیا اور مجرم کو بالآخر قانون کی عدالت کے سپرد ہونا پڑا۔ اسے کچھ دیر تو مہلت مل گئی مگر آخر کب تک...... اور پھر کبوتروں نے گواہی دے دی۔ ایک مظلوم کی پکار کا جواب اسے مل گیا۔

رشوت کا اثر و کردار

عبّاسی خلیفہ مہدی (1) کے زمانے میں عاقبہ بن یزید بغداد میں بحیثیت قاضی مقرر تھے۔ ایک دن ظہر کے وقت اچانک قاضی صاحب خلیفہ مہدی کی خدمت میں پہنچ گئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ کی اجازت سے گھر کے اندر داخل ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا: خلیفۃ المسلمین! وہ صندوق منگوائیں جس میں منصبِ قضا پر بحالی کے سلسلے میں میرا معاہدہ ہے' کیونکہ اب میں اس منصب سے مستعفی ہونا چاہتا ہوں' آپ سے گزارش ہے کہ آپ میرا استعفا منظور کرلیں۔

قاضی عاقبہ بن یزید کی گفتگو سے خلیفہ مہدی کو گمان ہوا کہ شاید حکومت کے کسی ذمہ دار نے قاضی کے فیصلے کو نظر انداز کر دیا ہے، چنانچہ پوچھ بیٹھا: کیا کسی نے آپ کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا ہے جو آپ منصبِ قضا سے مستعفی ہونا چاہتے ہیں؟

قاضی: اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔

خلیفہ: «فَمَاسَبَبُ اسْتِعْفَائِكَ مِنَ الْقَضَاءِ»

''پھر آپ منصب قضا سے کیوں سبکدوش ہونا چاہتے ہیں؟''

قاضی صاحب کہنے لگے: امیر المؤمنین! بات دراصل یہ ہے کہ ایک ماہ قبل دو آدمیوں نے میرے پاس مقدمہ دائر کیا تھا۔ مقدمے کی نوعیت بڑی ہی پیچیدہ تھی۔ ہر دو فریق کے پاس واضح ثبوت اور شہادت موجود تھی۔ فیصلہ سنانے میں دیر لگ سکتی تھی کیونکہ دونوں فریقوں کے دلائل پر غور و فکر اور نتیجے تک پہنچنے کے لیے خاصا وقت درکار تھا' چنانچہ میں نے مقدمہ سننے کے بعد اس امید میں فریقین کو واپس بھیج دیا کہ وہ باہم مصالحت کر لیں گے اور یوں ان کا مقدمہ حل ہو جائے گا۔ اس مدت میں دونوں فریقوں میں سے ایک کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ مجھے پکی ہوئی تازہ کھجوریں

زیادہ مرغوب ہیں، چنانچہ اس نے بہت ہی عمدہ کھجوریں اکٹھی کیں اور میرے دربان کو بھاری رقم رشوت دے کر کھجوریں مجھ تک پہنچانے کو کہا۔ میں نے اتنی عمدہ کھجوریں کبھی نہیں دیکھی تھیں لیکن جب دربان نے کھجور کا طبق میری خدمت میں حاضر کیا تو میں نے اسے کو ڈانٹ ڈپٹ کر طبق واپس کروا دیا۔ دوسرے دن جب دونوں فریق عدالت میں حاضر ہوئے تو وہ دونوں میری نگاہ میں یکساں نظر نہیں آرہے تھے۔

«فَهٰذَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! وَلَمْ أَقْبَلْ، فَكَيْفَ يَكُونُ حَالِي لَوْقَبِلْتُ»

''امیر المؤمنین! ہدیہ قبول نہ کرنے کے باوجود میری یہ حالت ہوگئی (کہ عدم مساوات کا تیر میری نگاہ میں چبھ گیا) پھر اگر میں نے ہدیہ قبول کر لیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ (لامحالہ مجھے ناحق فیصلہ کرنا پڑتا!!)

امیر المؤمنین! حیلے بہانے سے شیطان میرا دین اور میری عاقبت برباد کر سکتا تھا کیونکہ ہر انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے اور لوگ اس کے پھندے میں پھنس کر تباہ و برباد بھی ہو رہے ہیں، لہٰذا اے امیر المؤمنین! آپ مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ دے گا۔ مجھ سے اس سلسلے میں درگزر کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے گا۔ (2)

(1) ابوعبداللہ محمد المہدی بن منصور عباسی 158ھ میں تخت نشین ہوا۔ اگلے ہی سال مرو (خراسان) کے باشندے حکیم مقنع نے معبود ہونے کا دعویٰ کیا۔ وہ قلعہ بسام میں 32 ہزار آدمیوں کے ساتھ محصور ہو گیا تو مہدی کے سپہ سالار سعید حریشی نے اس کا قلع قمع کیا۔ مقنع اپنے اہل و عیال سمیت آگ میں جل مرا۔ مہدی نے 165ھ میں ہارون رشید کو قسطنطنیہ کی مہم پر بھیجا۔ رومیوں نے 70 ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ مہدی نے بصرہ، یمامہ اور بحرین کے زندیقوں کی بیخ کنی کی، نیز مسجد حرام میں توسیع کروائی۔ خلیفہ مہدی نے محرم 169ھ/ اگست 785ء میں وفات پائی۔
(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج 1 ص 893-901)

(2) قصص العرب : 75/3 ' العقد الفرید للملک السعید: 170

ضمیر کا فیصلہ

عبداللہ بن مالک کا بیان ہے کہ میں خلیفہ مہدی کے زمانے میں کوتوال (پولیس کا چیف) تھا۔ خلیفہ بسا اوقات اپنے صاحبزادے ہادی کے ہم نشینوں کو میرے پاس بھیجتا اور مجھے حکم دیتا کہ میں ان کو زدوکوب کروں اور انھیں قید خانے میں ڈال دوں۔ خلیفہ مہدی کا مقصد تھا کہ وہ اپنے بیٹے ہادی کو اس کے ہم نشینوں سے محفوظ رکھے۔

اس دوران میں ہادی بھی میرے پاس اپنا کارندہ بھیجتا کہ میں اس کے ہم نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کروں اور ان کی سزا میں تخفیف کروں مگر میں اس کی بات نہیں مانتا تھا اور جو خلیفہ مہدی حکم دیتا کر گزرتا۔

خلیفہ مہدی کے بعد جب اس کا بیٹا ہادی خلافت کی باگ ڈور سنبھال چکا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب میری خیر نہیں' یہ ضرور میری خبر لے گا، چنانچہ اس نے ایک دن مجھے بلا بھیجا۔ میں نے کفن پہنا اور مردوں والی خوشبو لگا کر خلیفہ ہادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' اس کے سامنے چمڑے کا فرش (جس پر مجرم کو قتل کیا جاتا ہے) بچھا ہوا تھا اور تلوار بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے جب اسے سلام کیا تو وہ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ تیرے اوپر سلامتی نہ کرے۔ تجھے یاد ہے کہ فلاں آدمی کو امیر المؤمنین نے تیرے پاس بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ اسے خوب مارو' مگر میں نے جب اس کی سفارش کی تو تو نے قبول نہیں کی تھی اور میری بات ردی کی ٹوکری میں ڈال دی تھی۔ اسی طرح خلیفہ نے اپنے کئی ہم نشینوں کے نام گنوائے۔

میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ کا کہنا بالکل درست ہے مگر کیا آپ مجھے لب کشائی کا موقع دیں گے؟

خلیفہ نے کہا: ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

میں گویا ہوا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ آپ نے مجھے ایک ذمہ داری سونپی جو آپ کے والد نے بھی مجھے سونپی تھی، پھر آپ مجھے کوئی حکم دیں مگر آپ کا بیٹا بھی مجھے کوئی ایسا حکم کرے جو آپ کے حکم کے مخالف ہو، پھر اگر میں آپ کے بیٹے کا حکم بجا لاؤں اور آپ کا حکم نہ مانوں تو کیا آپ کو اس سے خوشی ہوگی؟

خلیفہ نے کہا: نہیں نہیں

میں نے عرض کیا:

«فَكَذَلِكَ أَنَا لَكَ وَكَذَلِكَ كُنْتُ لأَبِيكَ»

''پھر میں اسی طرح آپ کے لیے بھی وفادار کوتوال ہوں جس طرح آپ کے والد کا وفادار کوتوال تھا۔''

میری بات سنتے ہی خلیفہ ہادی کا غصہ کافور ہو گیا اور اس نے مجھے اپنے قریب کر لیا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ پھر اس نے مجھے شاہی جوڑے عنایت کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر کو روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچ کر میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ عین ممکن ہے خلیفہ کے وزرا، ہم نشین اور منشی لوگ میرے خلاف اسے ورغلائیں اور خلیفہ کو باور کرائیں کہ وہ مجھے معاف نہ کرے بلکہ گزشتہ خلاف ورزی پر مجھے عبرتناک سزا دے یا قتل کر دے۔

ابھی میں گھر میں بیٹھا تھا، سامنے روٹی سالن رکھا ہوا تھا اور گرم گرم بچوں کو کھلا رہا تھا کہ اچانک دروازے کے باہر سے شور وغل کی آواز آنے لگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زلزلہ آ گیا ہے کیونکہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز انتہائی ہنگامہ خیز تھی۔ میں کہنے

لگا: اللہ کی قسم! موت کا فرشتہ آ گیا۔ اتنے میں زور سے دروازہ کھلا اور خلیفہ ہادی کے حشم و خدم میرے گھر میں تیزی کے ساتھ داخل ہو گئے۔ ان کے درمیان خلیفہ بھی تھا۔ میں دیکھتے ہی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور خلیفہ کا ہاتھ چوم لیا۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے بندے! میں تمھاری واپسی کے بعد تمھارے معاملے میں غور وفکر کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ جب میں اپنی مجلس میں بیٹھوں گا اور وہاں تمھارے مخالفین میرے کان بھرنے لگیں گے تو میرا تمھارے بارے میں جو حسن ظن ہے سوئے ظن میں تبدیل ہو جائے گا اور جب میں بدظن ہو جاؤں گا تو تم خوف و وحشت میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمھارا چین وسکون ختم ہو جائے گا۔ اسی لیے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ میں خود ہی تمھارے پاس پہنچ کر تمھاری موانست کروں اور تمھیں بتا دوں کہ میرے دل میں تمھارے خلاف کوئی بات اب باقی نہیں رہ گئی۔ لاؤ مجھے بھی اپنے کھانے سے کھلاؤ۔

عبداللہ بن مالک کا بیان ہے: چنانچہ جو کچھ سالن تھا' میں نے خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ خلیفہ نے مزے سے ہمارا کھانا تناول فرمایا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو کچھ عبداللہ کے لیے لائے ہو حاضر کرو۔ سپاہیوں نے خچروں پر لدے بہت سارے سامان اور دراہم کو میرے گھر میں اتارا۔ خلیفہ کہنے لگا: یہ سامان زیست اور دراہم رکھو اور ساتھ ان سارے خچروں کو بھی رکھ لو۔ علاوہ ازیں میرے والد نے جس عہدے پر تمھیں فائز کیا تھا میں بھی اس پر تمھیں برقرار رکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر خلیفہ واپس ہو گیا اور اس کے بعد میرا شمار خلیفہ کے قریبی لوگوں میں ہونے لگا۔[1]

---

(1) قصص العرب:3/76`77' العقد الفرید:124' عصر المأمون:1/107)

آخری وقت میں معافی!

طائف سے آپ جنوب کی طرف سفر کرتے جائیں تو ایک پہاڑی سلسلہ ہے جہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہیں۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ اماں حلیمہ سعدیہ اسی علاقے کی رہنے والی تھیں۔ ذرا نیچے چلے جائیں تو ابہا اور خمیس مشیط کا علاقہ ہے جو گرمیوں میں اپنے معتدل بلکہ قدرے سرد موسم کی وجہ سے مشہور ہے۔ پہاڑوں کے ان سلسلوں میں آج بھی آپ کو بدو بکریاں چراتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ابومشہود نامی ایک چرواہا اپنے ساتھ بکریوں کا ریوڑ لے کر صبح کو نکلتا۔ بارشوں کے بعد پہاڑوں پر خودرو پودے اس کی بکریوں کی خوراک بنتے' شام کو وہ چھوٹے چھوٹے جوہڑوں سے بکریوں کو پانی پلاتا ہوا اپنے گھر واپس آجاتا۔ ایک دن شام ڈھلے اس کی بکریاں تو واپس آگئیں، مگر ابومشہود واپس نہیں آیا۔ رات کے اندھیرے میں اس کا بیٹا اور دوسرے رشتہ دار اس کی تلاش میں نکلے مگر ناکام واپس آئے۔ اگلے دن صبح سویرے پھر گاؤں سے نوجوانوں کا ایک گروہ ابومشہود کو تلاش کرتا ہوا پہاڑ کے دامن میں ایک چشمے کے پاس پہنچا تو وہاں اس کی لاش پڑی تھی۔ جسم پر بندوق کی گولی کا نشان تھا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی۔ واقعات' حالات اور شواہد واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اس کا کسی دوسرے چرواہے کے ساتھ پانی پلانے پر جھگڑا ہوا ہے۔ چرواہوں کے درمیان جھگڑے معمول کا حصہ ہیں۔ عموماً چرواہے آپس میں اس بات پر لڑ پڑتے ہیں کہ کس کی بکریاں پہلے پانی پیئیں گی۔ مگر یہ اختلاف اور جھگڑے معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں جو اسی وقت نہ سہی اگلے دن ختم ہو جاتے

ہیں۔ پولیس والوں نے لواحقین سے پوچھا کہ ان کو کس پر شک ہے یا اس کے ساتھ کون جھگڑا کر سکتا ہے؟

گھر والوں نے بتایا کہ وہ سیدھا سادا بے ضرر انسان تھا۔ اس کا کسی کے ساتھ کبھی جھگڑا نہیں ہوا، البتہ وہ فلاں فلاں کے ساتھ مل کر بکریاں چَراتا تھا۔

معمولی تفتیش کے بعد پولیس نے علی بن عبدالرحمٰن کو گرفتار کر لیا جس نے بعد میں اعتراف جرم کر لیا۔ عدالت میں مقدمہ چلا اور واقعات' شواہد اور اعتراف جرم کی بنا پر قاضی نے فیصلہ سنایا کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ مقتول کا بڑا بیٹا مشہود اس وقت سترہ سال کا تھا مگر سب سے چھوٹا بیٹا اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ قاضی نے فیصلے میں لکھا کہ جب تک یہ بچہ بالغ نہ ہو جائے، اس وقت تک حکم کی تنفیذ نہ کی جائے۔ چنانچہ قاتل کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس وقت قاتل کی عمر 42 سال کی تھی۔ اس کو جیل میں 18 سال تک اپنی پھانسی کا انتظار کرنا پڑا کیونکہ جب تک سب سے چھوٹا بیٹا 18 سال کا نہیں ہو جاتا، اس وقت تک فیصلے کی تنفیذ ناممکن تھی۔ اس کو اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا قاتل کو معاف کر دیا جائے یا اس سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔

علی بن عبدالرحمٰن نے یہ سارا وقت دو احتمالات کی کشمکش میں گزارا کہ آیا اس کو لواحقین معاف کرتے ہیں یا اسے قتل کی سزا ملے گی۔

ابو مشہود کا چھوٹا بیٹا جو اب یتیم ہو چکا تھا، اس کا نام نجانے کیوں یتیم رکھا گیا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب یتیم کی عمر 18 سال ہو چکی تھی اور اب اسے اپنے بھائیوں کے ساتھ فیصلہ کرنا تھا کہ باپ کے قاتل کو معاف کرنا ہے یا بدلہ لینا ہے۔ ادھر دستور کے مطابق قبائل کے سرکردہ افراد جمع ہوئے۔ انھوں نے ورثا سے کہا خون بہا

لے لیں اور قاتل کو معاف کر دیں۔ عموماً سعودی عرب میں خون بہا کی قیمت کم و بیش ایک لاکھ بیس ہزار ریال ہے مگر یہ ورثا پر ہے کہ وہ اس رقم کو قبول کر لیں یا زیادہ کا مطالبہ کریں۔ ادھر ورثا نے انکار کر دیا کہ وہ خون بہا قبول نہیں کریں گے۔ رقم کی بولی لگتی گئی اور علی بن عبدالرحمٰن کے قبیلے نے دس لاکھ سعودی ریال تک دینے کا اعلان کر دیا۔

علی بن عبدالرحمٰن اپنے جیل کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب میں جیل میں گیا تو میری عمر 42 سال کی تھی۔ میں اس وقت جوان تھا اور اب میری عمر 60 سال کی ہو چکی تھی۔ جیل گزارنا بھی ایک عذاب ہوتا ہے۔ میں 8 سال تک بلجرشی نامی قصبے کی جیل میں رہا۔ اور باقی مدت الباحہ کی جیل میں گزاری۔ جیل میں کوئی نیا قیدی آتا تو اپنے واقعات اور حالات بیان کرتا۔ ایسے قصے اور واقعات ہم ہزاروں مرتبہ ایک دوسرے کو سنا چکے ہوتے۔ اس دوران میں نے جیل میں حلقہ تحفیظ القرآن الکریم کے ذریعے سے قرآن پاک پڑھنا سیکھا۔ لکھنا پڑھنا آیا تو کچھ کتابیں بھی پڑھنے لگا اور ایک طویل انتظار کے بعد وہ وقت آ گیا جب میری قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ ادھر میرے قبیلے کے لوگ مسلسل معافی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے مگر اس کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آتی تھی، میں امید و یاس کی کیفیت میں تھا۔

ایک دن صبح سویرے جیل کے حکام نے مجھے بلایا اور کہا کہ صلح کی ساری کوششیں ناکام ہو گئی ہیں، لہٰذا کل تمھیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ مجھے ان کے احکامات سن کر ذرا بھی خوف محسوس نہ ہوا۔ دراصل 18 سال جیل میں رہنے کے بعد سارے خوف ختم ہو چکے تھے۔ میں زندگی سے ویسے ہی مایوس اور ناامید ہو چکا تھا۔ کل کا دن میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ میں سوچ رہا تھا...... اپنا بچپن' اپنی جوانی ...... اپنی بیوی بچے' رشتہ دار' احباب...... دوست، خاندان اور قبیلے کے افراد یاد آئے جنھوں نے اب دیت کے دس لاکھ ریال کے علاوہ اس میں ایک قطعہ زمین بھی شامل کر دیا تھا۔ میں نے جتنا قرآن یاد تھا، پڑھ ڈالا۔ وہ رات میری زندگی کی عجیب وغریب رات تھی۔ ساری رات نیند نہ آئی۔ میں نے ذکر اذکار اور نوافل میں وقت گزار دیا۔ صبح سویرے ہی جیلر آ گیا۔ میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں' ساتھیوں نے اشک بار آنکھوں سے الوداع کیا۔ میں نے بڑی حسرت کے ساتھ ان دیواروں پر آخری نظر ڈالی اور پولیس کی کڑی نگرانی میں چل پڑا۔ جیل کی گاڑی کا دروازہ کھلا اور مجھے اندر دھکیل دیا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میدان قصاص میں اتارا گیا۔ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مگر لوگوں کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہ خمیس مشیط کا مرکزی چوک تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میرے قتل کا منظر دیکھنے کے لیے جمع تھی۔ میرے رشتہ دار' عزیز واقارب ایک دن پہلے مجھ سے الوداعی ملاقات کر چکے تھے۔ مجھے بٹھا کر عدالتی اہلکار نے میرے جرم کا اعلان کیا...... میرا اعتراف جرم اور قاضی کا فیصلہ، سپریم کورٹ کا فیصلہ۔ سب لوگ دم بخود سن رہے تھے۔ پھر جلاد کو حکم دیا گیا کہ مجرم کا سر قلم کر دیا جائے۔ وہ آگے بڑھا اس نے تلوار اپنی میان سے نکالی۔ میں نے کلمہ پڑھتے ہوئے سوچا ابھی تلوار میری گردن کو الگ کر دے گی۔ میں نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کیا کہ اچانک ایک آواز گونجی:

«غَفَرْتُ لَكَ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى»

''جاؤ میں نے تمھیں اللہ کی رضا کے لیے معاف کر دیا۔''

یہ مقتول کے بڑے بیٹے کی آواز تھی۔ لوگ جو تصور میں میری لاش دیکھ رہے تھے، اب معافی کا اعلان سن رہے تھے۔ سارا چوک اللہ اکبر کی آواز سے گونج اٹھا۔ لا الہ الا اللہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ مجھ سمیت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے معافی مل سکتی ہے۔ میں بے ہوش ہو چکا تھا...... مجھے اٹھا کر دوبارہ گاڑی میں ڈالا گیا اور دوبارہ جیل میں لے آئے۔ ہر چند کہ لواحقین نے مجھے معاف کر دیا تھا مگر میری رہائی میں قانونی کارروائی باقی تھی۔ مجھے اور میرے رشتہ داروں کو معلوم نہ تھا کہ مجھے کس روز جیل سے رہائی ملے گی۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا کہ مجھے جیلر نے بلا کر بتایا کہ سارے قانونی تقاضے پورے ہو چکے ہیں، لہٰذا تمھیں ابھی رہا کیا جا رہا ہے۔ میری زندگی کا نیا آغاز ہو رہا تھا۔ خوشی کے اس موقع پر مجھے اتنا وقت بھی نہ ملا کہ میں اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دے سکوں کہ میں رہا ہو چکا ہوں اور میں آ رہا ہوں۔ میں جیل سے نکلا۔ ایک ٹیکسی نظر آئی، میں نے اس کو اشارہ کیا اور لپک کر اس میں بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں اپنا گھر آیا' رشتہ دار یاد آئے، وہ کونسا وقت ہو گا کہ میں ان کے درمیان ہوں گا۔

مگر اچانک ہی میں نے ایک فیصلہ کیا۔ مجھے سب سے پہلے ابومشہود کے گھر جانا چاہیے تاکہ ان کا شکریہ ادا کروں، اس کے بیٹوں کا، اس کے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کا۔ میں نے اپنی یادداشت کو بحال کرنا شروع کیا۔ اٹھارہ سالوں میں ہر چیز ہی بدل چکی تھی۔ میں نے ٹیکسی والے کو گاؤں کا پتہ بتایا اور میں تھوڑی دیر کے بعد ابومشہود کے خاندان والوں سے مل رہا تھا۔

''میرے پاس آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے کلمات نہیں ہیں۔ یہ الفاظ کافی نہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ بلاشبہ اصل بدلہ تو آپ کو اللہ ہی عطا

کرے گا۔'' میں ان کو گلے لگا رہا تھا، ان کے ماتھے چوم رہا تھا۔

اب مقتول کا بڑا بیٹا مشہود گویا ہوا: بیٹھو میں تمھیں اپنی کہانی سناتا ہوں۔

تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے خاندان کی طرف سے ہمیں دس لاکھ ریال کی پیش کش کی گئی اور بعد میں زمین کا قطعہ بھی پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے کتنے ہی لوگوں نے معاف کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر ہم نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ایک دن ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میری والدہ بھی اب میرے پاس ہی رہتی ہیں۔ میرا چھوٹا بھائی یتیم اب جوان ہو چکا ہے۔ تمام گھر والوں نے مجھے تحریری طور پر لکھ دیا کہ میں جو بھی فیصلہ کروں انھیں منظور ہے۔ میرے پاس جو بھی سفارش لے کر آتا، میرے غصے میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ میری آنکھوں کے سامنے والد کی شکل آ جاتی جو مجھے بدلہ لینے پر ابھارتی۔ لہٰذا میں نے ہر سفارش ہر مشورہ ٹھکرا دیا۔ میرا ایک ہی جواب ہوتا کہ ہمیں رقم نہیں چاہیے، ہم بدلہ چاہتے ہیں، صرف بدلہ۔ اور یوں میں نے سب کو انکار کر دیا۔

ایک دن پھر ہم سارے گھر والے اکٹھے ہوئے۔ میں نے ان سے کہا: تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر ہم قاتل کو رضائے الٰہی کی خاطر معاف کر دیں اور یہ ہمارے والد کی طرف سے صدقہ ہو۔ اس دن ہم نے بہت غور و فکر کیا۔ بڑی بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ہاں ہمیں لوجہ اللہ معاف کر دینا چاہیے۔ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی کو قطعاً اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔

ادھر عدالتی کارروائی جاری تھی۔ ہم سے پوچھا گیا کیا صلح کی کوئی امید یا صورت ہے؟ مگر میں نے مکمل انکار کر دیا حتی کہ الباحہ کی پولیس کو حکم کی تنفیذ کا آرڈر مل گیا۔ مجھ سے آخری مرتبہ پھر پوچھا گیا کہ کیا تم معاف کرتے ہو یا قصاص لینا

چاہتے ہو؟ میں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور قصاص لینے پر اصرار کیا، اور پولیس والوں سے کہا کہ میں اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب سمیت قصاص کے وقت حاضر ہوں گا۔

پھر جب تمھیں میدان قصاص (عدل) میں لایا گیا، تمھاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور تم ہمیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ عدالتی اہلکار نے جرم، تمھارا اعترافِ جرم اور قاضی کا فیصلہ پڑھ کر سنایا اور پھر جلاد نے تلوار نکال لی۔ وہ تمھاری گردن مارنے جا رہا تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ساتھ ہی اعلان کیا کہ میں نے اللہ کے لیے تمھیں معاف کر دیا ہے۔

میں کسی شخص سے کوئی تعریف یا مدح نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سارا کام اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے۔ اگر میں اپنی مدح یا شہرت چاہتا تو جب میرے پاس سفارشیں آ رہی تھیں، مجھے دس لاکھ ریال کی پیش کش ہوئی تھی، میں اس کو قبول کر لیتا۔ مگر میں نے اپنے والد کی طرف سے صدقہ کیا ہے۔ اللہ اس کو قبول فرمائے۔

اور یوں قارئین، مشہود نے ایک سنہرا فیصلہ کر کے اپنے قبیلے کی تاریخ میں سنہری باب رقم کیا۔ (1)

---

(1) اس واقعہ کو سعودی عرب کے روزنامے عکاظ کے شمارہ نمبر 8439، 1410 سے لیا گیا ہے۔ محترم ابراہیم حازمی نے اپنی کتاب "الفرج بعد الشدة" کے اندر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ راقم (مؤلف) نے اسے معمولی تصرف کے ساتھ اپنے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

مظلوم کی آہ سے بچو ورنہ......

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ اہل کوفہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (1) (جو کوفہ کے حاکم مقرر ہوئے تھے) کی شکایت کی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ کوفہ کا حاکم عمار رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔ اہلِ کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت یہاں تک کی تھی کہ وہ نماز بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھاتے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور پوچھا: اے ابواسحاق! (یہ حضرت سعد کی کنیت تھی) یہ کوفہ والے شکایت کرتے ہیں کہ آپ اچھی طرح سے نماز نہیں پڑھا سکتے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھایا کرتا تھا' ان میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا تھا۔ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت لمبی کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابواسحاق! آپ کے بارے میں میرا یہی گمان ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک آدمی کوفہ روانہ کیا۔ اس آدمی نے ساری مسجدوں میں گھوم پھر کر اہل کوفہ سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا اور سبھی نے ان کے متعلق تعریفی کلمات کہے۔ لیکن بنوعبس کی مسجد میں ابوسعدہ اسامہ قتادہ نامی ایک شخص نے (پوچھنے والے فرستادے سے) کہا: جب آپ ہمیں قسم دیتے ہیں تو ہماری شکایت ہے کہ سعد جنگ میں نہیں جاتے تھے' مال

غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے تھے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ «فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ»

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے تین جھوٹی شکایتیں کی ہیں، میں بھی تجھے تین بددعائیں دیتا ہوں:

«اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمُرَهُ وَأَطِلْ فَقْرَهُ وَعَرِّضْهُ لِلْفِتَنِ»

''الٰہی! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور اس نے ریاکاری وشہرت کے لیے اٹھ کر میری شکایت کی ہے تو اس کی عمر لمبی کر' تادیر اس کو فقر میں مبتلا کر اور اسے (گناہ کے) فتنوں میں مبتلا کر۔''

(اس آدمی کو سعد کی بددعا لگ گئی) چنانچہ جب اس سے پوچھا جاتا تو وہ کہتا: بوڑھا آدمی ہوں' آزمائش میں ڈالا گیا ہوں' سعد کی بددعا مجھے لگ گئی ہے!!

عبدالملک (ایک راوی) کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے اس آدمی کو دیکھا' بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کی پلکیں گر چکی تھیں اور وہ راستوں میں چھوکریوں کو آنکھیں مارتا تھا۔''(2)

---

(1) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو سعد سے تھا۔ آپ نے پہلی وحی کے نزول کے ساتویں دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے اسلام قبول کیا۔ انھوں نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا سعد رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خلیفۂ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اہلِ فارس کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی قیادت سونپی اور معرکۂ قادسیہ کی فتح انھی کی رہنمائی میں حاصل ہوئی۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے ایما پر مناذرہ کے دارالحکومت حیرہ سے چند میل جنوب میں کوفہ کا شہر آباد کیا۔ وہ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار میں کوفہ کے گورنر رہے۔ سعد رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ انھوں نے 55ھ میں وفات پائی۔

(اٹلس سیرت نبوی ص199-200)

(2) بخاری کتاب الأذان' نمبر: 755

حکمران بیت المال کا محافظ ہے

ایک مرتبہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کے ہاتھ میں کانسی (BRONZE) کا ایک ٹکڑا دیکھا جس کی کوئی قیمت نہیں تھی (انتہائی معمولی تھا۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بچے! کانسی کا یہ ٹکڑا تجھے کس نے دیا ہے؟

صاحبزادے نے جواب دیا: ابو جان! مجھے یہ ٹکڑا بیت المال کے خازن نے دیا ہے۔

امیر المؤمنین اپنے صاحبزادے کو لے کر بیت المال کے خازن کے پاس گئے اور اس سے فرمایا: تجھے یہ ٹکڑا عمر کے بچے کو دینے کے لیے کس نے کہا ہے؟

خازن نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! میں نے خزانے کا حساب لگایا (گنتی کی کہ کونسا مال کتنا اور کہاں ہے) تو خزانے میں سونا اور چاندی ہی پایا۔ اس پورے خزانے میں کانسی کا ایک ٹکڑا ملا، چنانچہ میں نے اسے آپ کے صاحبزادے کے حوالے کر دیا۔

یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا: تیری ماں تجھے گم کر دے' کیا تو نے تمام مسلمانوں کے گھروں کا جائزہ لینے کے بعد کوئی ایسا گھر نہیں پایا جو حرام مال کھائے' اس کے لیے تجھے عمر ہی کا گھر نظر آیا؟ یہ ٹکڑا لو اور اسے اس کی جگہ رکھ دو۔

بادشاہ انھیں بِلّے جیسا لگ رہا تھا!!

شیخ عز الدین بن عبدالسلام عید کے روز قصرِ شاہی کی طرف نکلے۔ دیکھا کہ وہاں سپاہیوں کی جماعت بادشاہ نجم الدین[1] کے آگے صف بندی کیے ہوئے ہے اور خود سلطان آرائش وزیبائش سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی قوم کی زینت بنا ہوا ہے اور امراز مین کو بوسہ دے رہے ہیں۔

شیخ عز الدین نے بآواز بلند آواز دی: اے ایوب! جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ ملک مصر میں ہم نے تمھاری حکومت مستحکم کی تھی اور تم شراب کی خرید و فروخت میں حصہ لیتے تھے' اس وقت تمھارا کیا جواب ہوگا؟

سلطان: کیا ایسا ہو رہا ہے؟

شیخ: ہاں' فلاں سرائے میں شراب بیچی جاتی ہے اور اس کے علاوہ دوسرے منکرات کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے' لیکن تم ہو کہ اس ملک میں ناز ونعم کے مزے لے رہے ہو؟

سلطان: اے میرے سردار! یہ بازار میں نے نہیں گرم کر رکھا اور نہ اس کا آغاز میرے دور حکومت میں ہوا ہے بلکہ یہ تو میرے والد کے زمانے ہی سے چلا آرہا ہے۔

شیخ: کیا تو بھی ان ہی لوگوں میں سے ہے جنھوں نے کہا تھا:

﴿ إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّقْتَدُونَ ﴾

"ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) ایک دین پر پایا اور ہم تو انھی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔" (الزخرف:23)

چنانچہ سلطان نے فی الفور اس سرائے کو جلانے کا حکم دیا۔

جب شیخ عز الدین بن عبدالسلام لوٹ کر مدرسے آئے تو ان کے ایک شاگرد نے پوچھا: استاد محترم! آپ نے ایسا کیوں کیا جبکہ آپ کے لیے اس کو صرف نصیحت کر دینا ہی کافی تھا۔

شیخ نے جواب دیا: اے میرے عزیز! میں نے سلطان کو جب اس عظمت کے ساتھ نکلتے دیکھا تو میں نے اس کی توہین کرنا چاہی تا کہ وہ اپنے آپ کو تکبر و غرور میں مبتلا نہ کرے جس سے بعد میں اسے نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔

شاگرد نے پوچھا: استاد محترم! آپ کو اس سے خوف محسوس نہیں ہوا؟

شیخ نے جواب دیا:

«لَقَدِ اسْتَحْضَرْتُ هَيْبَةَ اللهِ تَعَالَى إِذَا خَاطَبْتُهُ فَصَارَ السُّلْطَانُ أَمَامِي كَالْقِطِّ!»

''میں نے سلطان سے مخاطب ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال کو اپنے سامنے رکھ لیا، چنانچہ سلطان میری نظر میں بِلّے جیسا ہو گیا!!''

(1) ملک الصالح نجم الدین ایوب (637ھ-647ھ) سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل کا پوتا اور مصر و شام کے ایوبی خاندان کا ساتواں حکمران تھا۔ وہ 647ھ میں صلیبی عیسائیوں سے لڑائی میں شہید ہوا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج 2 ص 419)

مجرم تلاش کرلیا

ایک شخص ریگستانی علاقے میں ارنڈ کے ایک درخت کے نیچے اپنا مال چھپا کر حج کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ حج کی ادائیگی کے بعد جب واپس آیا تو اس کا مال وہاں نہیں تھا، چنانچہ وہ حاکم کے پاس اپنے مال کی چوری کی شکایت لے کر گیا۔

حاکم نے جب یہ واقعہ سنا تو اسے بڑا تعجب ہوا اور وہ اس سنگین مسئلے کو حل کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ اس نے شہر کے تمام طبیبوں کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا۔ جب تمام اطبا اس کے پاس حاضر ہوگئے تو ان سے پوچھا: تم لوگوں نے اس موسم میں کسی آدمی کا علاج ارنڈ کے درخت کی جڑ سے کیا ہے؟

ایک طبیب نے عرض کی:

ہاں، میں نے فلاں آدمی کا علاج ارنڈ کے درخت کی جڑ سے کیا ہے۔

حاکم نے اس مریض کو بلا بھیجا۔ جب وہ مریض حاضر خدمت ہوا تو حاکم نے اس سے دریافت کیا:

ارنڈ کے درخت کی جڑ تیرے پاس کون لایا تھا؟

مریض نے بتایا: میرا خادم۔

حاکم نے اس کے خادم کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔

جب خادم آ گیا تو حاکم نے اس سے پوچھا:

تو اپنے آقا کے پاس ارنڈ کے درخت کی جڑ کہاں سے لایا تھا؟

خادم نے جواب دیا:

ریگستان کے ایک درخت سے۔

حاکم نے خادم کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کے ساتھ جائے جس کا مال چوری ہوا ہے' اور اسے درخت کی جگہ دکھلائے، چنانچہ وہ دونوں گئے تو معلوم ہوا کہ خادم نے اسی ارنڈ کے درخت کی جڑ اپنے مالک کے علاج کے لیے نکالی جس کے نیچے مال دفن کیا گیا تھا۔ جب یہ دونوں واپس حاکم کے پاس آئے تو اس نے خادم سے پوچھا:

درخت کی جڑ میں چھپایا گیا مال تم ہی نے لیا ہے؟

خادم نے جواب دیا: ہاں۔

چنانچہ حاکم نے خادم کو حکم دیا کہ صاحب مال کو اس کا مال واپس کر دو۔

خادم نے مال واپس کر دیا اور صاحب مال ہنسی خوشی حاکم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے گھر واپس چلا گیا۔

گردن زدنی مجرم

خلیفہ مہدی نے کوفہ کے ایک آدمی کو گردن زدنی ٹھہرایا جو اس کی حکومت میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ خلیفہ نے اس مجرم کا پتہ دینے والے یا اس کو پکڑ کر لانے والے کے لیے ایک لاکھ درہم کا انعام رکھا ہوا تھا۔ وہ مجرم معن بن زائدہ کے گھر پناہ گزیں ہو گیا۔

جب خلیفہ مہدی کو معلوم ہوا کہ مجرم معن بن زائدہ کی پناہ میں ہے تو اس نے انھیں بلایا' چنانچہ معن بن زائدہ حاضر ہوئے۔

خلیفہ نے پوچھا:

اے معن! تم نے میرے باغی اور دشمن کو میرے منع کرنے کے باوجود پناہ دے رکھی ہے؟

معن بن زائدہ: جی ہاں، اے امیر المؤمنین!

مہدی: اور ''جی ہاں'' بھی کہہ رہے ہو!

پھر مہدی کا غصہ بھڑک اٹھا اور وہ گرجدار آواز میں بولنے لگا۔

معن بن زائدہ نے عرض کیا:

اے امیر المؤمنین! میں نے آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں ملک یمن کے اندر بہت سارے دشمنوں کو قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچایا ہے' اور مجھے کئی دفعہ آپ کے ساتھ جنگوں میں ابتلا وآزمائش میں مبتلا ہونا پڑا ہے اور تکلیفوں کا سامنا ہوا ہے' پھر بھی آپ مجھے اس قابل نہیں گردانتے کہ ایک آدمی میری پناہ میں رہ سکے؟!

یہ سن کر خلیفہ مہدی نے دیر تک اپنا سر جھکائے رکھا' پھر سر اٹھایا اور معن بن

زائدہ کا غم وغصہ زائل کیا اور فرمایا:

جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

معن بن زائدہ نے عرض کیا: اگر امیر المؤمنین اس مجرم کو کچھ عنایت کر دیں تو گویا آپ نے اسے زندگی بخشی اور بے نیاز کر دیا۔

مہدی نے کہا: ہم نے اس مجرم کو پانچ ہزار درہم کا عطیہ کیا۔

معن بن زائدہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! خلفا کے عطیات مجرم کے جرم کے مطابق ہوا کرتے ہیں اور یہ مجرم واقعی بہت بڑا ہے اس لیے عطیہ بھی بہت بڑا ہونا چاہیے۔

مہدی نے کہا: چلو ہم نے دس ہزار عطیے کا حکم دیا۔

معن بن زائدہ نے عرض کی: تو پھر دیر کس بات کی ہے اے امیر المؤمنین! جلدی فرمائیے' کیونکہ بہتر بھلائی یہ ہے کہ اس کو جلد از جلد بروئے کار لایا جائے۔

حجاج کے سامنے دندان شکن جواب

حجاج بن یوسف ثقفی (1) نے ابن فجاءۃ کے بھائی کو گرفتار کروایا اور کہا: میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔قیدی نے عرض کیا: آخر سبب کیا ہے؟

حجاج بن یوسف نے کہا:

تیرے بھائی قطری نے میرے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا۔قیدی نے جواب دیا: میرے پاس امیر المؤمنین کی جانب سے لکھا ہوا ورق ہے کہ میرے بھائی کی غلطی کی سزا مجھے نہیں دی جائے گی۔حجاج بن یوسف بولا: لاؤ مجھے دو۔

قیدی: میرے پاس امیر المؤمنین کے خط کے علاوہ آسمانی خط بھی ہے۔ پھر کہنے لگا: میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ ﴾

''کوئی آدمی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' (الانعام:164)

حجاج اس کے دندان شکن جواب سے تعجب میں پڑ گیا اور اس کی راہ چھوڑ دی۔

---

(1) حجاج بن یوسف بن حکم بنو ثقیف میں سے تھا۔ طائف میں 41ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے لشکر میں شامل ہو کر حجاج نے 72ھ میں مکہ کا محاصرہ کیا جہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی۔ سات ماہ کے محاصرے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے ساتھ خانۂ کعبہ کے قریب لڑائی میں شہید ہو گئے (73ھ)۔ اس کامیابی پر عبدالملک نے حجاج کو حجاز، یمن اور یمامہ کا گورنر بنا دیا۔ دو سال بعد وہ کوفہ (عراق) کی گورنری پر فائز ہوا۔ اس نے خارجیوں اور دیگر باغیوں کا قلع قمع کیا۔ 78ھ میں خراسان اور سیستان بھی اس کے زیرِ حکومت دے دیے گئے۔ اس نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان نیا صوبائی دارالحکومت واسط تعمیر کرایا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں حجاج کے سپہ سالاروں قتیبہ بن مسلم، مُجّاعہ بن سِعر اور محمد بن قاسم نے بالترتیب ماوراء النہر (ترکستان)، عُمّان اور سندھ وملتان فتح کیے۔ قرآن مجید پر اعراب لگوانا حجاج کا بڑا کارنامہ ہے۔ حجاج نے 95ھ میں وفات پائی اور واسط میں دفن ہوا۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد 7)

کنگھی کی مدد سے فیصلہ!

جب امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایاس کو بصرہ میں منصب قضا پر فائز کیا تو ایاس نے اپنے اندر کمال فراست اور حیلہ سازی (جو مقدمہ کی تہ تک پہنچنے میں معاون ثابت ہو) پیدا کی، نیز فیصلے کے لیے درکار علم و تحقیق اور اسلوب میں کامل دسترس حاصل کر لی۔

ایک مرتبہ دو آدمیوں نے اپنی چادروں کے متعلق ایاس کے پاس مقدمہ دائر کیا۔ ایک کی چادر سرخ تھی اور دوسرے کی ہری۔ ایک نے اپنا مقدمہ یوں بیان کیا: میں حوض کے کنارے اپنی چادر رکھ کر اس میں غسل کر رہا تھا، اتنے میں یہ آدمی آیا اور میری چادر کے پاس اپنی چادر رکھ دی اور حوض میں داخل ہو کر غسل کرنے لگا۔ غسل کر کے یہ مجھ سے پہلے نکلا اور میری چادر پہن کر چلتا بنا۔ جب میں غسل کر کے نکلا اور اس کا پیچھا کرتا اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ وہ چادر اس کی ہے۔

ایاس نے پوچھا: کیا تیرے پاس کوئی ثبوت ہے؟

بولا: نہیں۔

ایاس نے ایک کنگھی منگوائی اور ان دونوں کے بالوں میں کنگھی کی۔ ایک کے بالوں سے سرخ اون نکلی اور دوسرے کے بالوں سے ہری اُون نکلی۔ چنانچہ ایاس نے سرخ چادر اس کے حوالے کر دی جس کے بالوں سے سرخ اون نکلی تھی اور ہری چادر اس کے حوالے کی جس کے سر سے ہری اون نکلی تھی۔

اذان کا کرشمہ

قاضی ابوالحسن محمد بن عبدالواحد ہاشمی (1) ایک تاجر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔اس تاجر کا بیان ہے کہ بغداد کے ایک امیر (گورنر) کے ذمے میرا بہت سا مال تھا۔ میں نے جب اس سے اپنے مال کا مطالبہ کیا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا؛ بلکہ میرا حق دینے سے انکار کر دیا۔ میں جب بھی اس کے گھر جا کر اپنے مال کا تقاضا کرتا وہ مجھ سے چھپ جاتا اور اپنے نوکروں کے ذریعے سے مجھے اذیت دیتا۔ میں جب عاجز آ گیا تو اس مقدمے کو آگے بڑھایا اور جا کر وزیر کے پاس شکوہ کیا۔مگر میری شکایت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ میں نے حکومت کے دیگر حکام و امرا کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا مگر وہاں بھی میری شکایت نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی۔ادھر میرا مال غصب کرنے والا امیر مسلسل مجھے دھمکیاں دیتا رہا اور میرا مال لوٹانے سے انکار کرتا رہا۔

میں نے اپنے مال کے حصول کے لیے بڑی تگ و دو کی' جہاں جہاں اور جن جن سے مجھے امید تھی یا امید دلائی گئی میں وہاں شکایت لے کر پہنچا مگر میری تمام تر کوشش لاحاصل رہی۔غرض میں مایوس ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے دل کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ اب اپنے مال کی واپسی کی امید رکھنا فضول ہے اور وقت کا ضیاع ہے۔میرا دل مطمئن کیا ہوتا امیر (گورنر) کے اس رویے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔حزن و ملال اور غم واندوہ کا ہجوم میرے دل و دماغ کو برابر کچوکے دے رہا تھا۔ میں حیرانی و پریشانی کی کشمکش میں تھا کہ کہاں جاؤں؟ کس سے شکایت کروں؟ میرا دکھ کون سنے گا؟ میری دادرسی کون کرے گا؟ میں اسی فکر میں تھا کہ ایک آدمی نے مجھ سے کہا:

فلاں خیاط (درزی) کے پاس کیوں نہیں جاتے جو مسجد کی امامت بھی کرتا ہے؟ ہو سکتا ہے وہ تمھارے اس مقدمے کا کوئی مثبت حل نکال دے؟ میں نے اس سے کہا:

«وَمَا عَسَى أَنْ يَّصْنَعَ خَيَّاطٌ مَعَ هٰذَا الظَّالِمِ وَأَعْيَانُ الدَّوْلَةِ لَمْ يَقْطَعُوا فِيهِ؟»

''بھلا وہ خیاط اس ظالم امیر کا کیا کر سکتا ہے جبکہ حکومت کے سرکردہ لوگ بھی اس ظلم سے چھٹکارا نہیں دلا سکے؟!''

اس آدمی نے مجھ سے کہا: تم نے آج تک جن جن سورماؤں کے پاس امیر کی شکایت کی ہے' وہ سبھی اس درزی امام کے سامنے ہیچ ہیں اور امیر اس امام سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہی خوفزدہ ہے۔ تم اسی امام کے پاس جا کر اپنا مقدمہ پیش کرو، ممکن ہے کوئی حل نکل آئے۔

چنانچہ میں نے اس آدمی کا مشورہ مان کر اس درزی امام کی خدمت میں جانے کا فیصلہ کر لیا جس کی اس نے نشاندہی کی تھی۔ امام کے پاس پہنچ کر میں نے اپنا مدعا اور اپنی حاجت بیان کی اور اس سلسلے میں جو ظلم وستم مجھ پر ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ کیا۔ میری بات امام نے غور سے سنی اور مجھے لے کر اس ظالم امیر کے پاس پہنچا۔ امیر اسے دیکھتے ہی اس کے استقبال کو اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا۔ درزی امام نے امیر سے صرف اتنا ہی کہا:

«اِدْفَعْ إِلَى هٰذَا الرَّجُلِ حَقَّهُ وَإِلاَّ أَذَّنْتُ»

''اس آدمی کا حق دے دو، ورنہ میں ابھی اذان دے دوں گا۔''

اتنا سننا تھا کہ امیر کا رنگ بدل گیا' اس پر کپکپی طاری ہو گئی' خوف و دہشت کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا تھے۔ اس نے بلا چون و چرا میرا پورا مال لا کر

دے دیا' ٹال مٹول یا پس و پیش کی ذرا سی بھی نوبت نہیں آئی۔

تاجر کا بیان ہے: میں یہ سب دیکھ کر سخت حیران تھا کہ یہ امام ایک معمولی آدمی ہے' اس کی حالت انتہائی خستہ ہے' جسمانی ساخت کمزور ہے' ظاہری وضع قطع بھی رعب و دبدبہ سے خالی ہے مگر بات کیا ہے کہ میرا مال ہڑپ کر جانے والے ظالم امیر نے اس معمولی سے امام کے آتے ہی بلاچون و چرا میرا حق ادا کر دیا اور کسی قسم کا احتجاج نہیں کیا۔

غرض میں نے امیر سے اپنا حق وصول کرنے کے بعد بطور شکرانہ درزی امام کو کچھ مال دینا چاہا مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور مجھ سے کہنے لگا:

«لَوْ أَرَدْتُ هٰذَا الْمَكَانَ لِي مِنَ الأَمْوَالِ مَا لاَ يُحْصَى»

''اگر مجھے اس مال کی خواہش ہوتی تو میرے پاس اتنے اموال اکٹھے ہو جاتے جن کا شمار ناممکن ہوتا۔''

میں نے درزی امام سے پوچھا: اچھا جناب! یہ تو بتائیں کہ اس ظالم امیر نے آپ کو دیکھتے ہی میرا حق کیوں ادا کر دیا جبکہ آپ سے قبل میں نے بڑی بڑی ہستیوں کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا، پھر بھی وہ امیر میری بات کو خاطر میں نہیں لایا؟

درزی امام نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے۔ امام نے بیان کیا:

کچھ دنوں قبل یہاں ایک ترک امیر تھا جو جوان بھی تھا اور خوبصورت بھی۔ ایک روز کی بات ہے کہ ایک عورت غسلخانے سے نہا دھو کر نکلی۔ اس عورت نے انتہائی بیش قیمت پوشاک زیب تن کر رکھی تھی اور حسن کی پری لگ رہی تھی۔ ترک امیر شراب پی کر مدہوش تھا' اس کی نگاہ جب غسلخانے سے نکلتی ہوئی اس حسین و

جمیل عورت پر پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور عورت کو ورغلانے لگا کہ ہمارے گھر میں آ جاؤ۔ مگر اس عورت نے اس کی پیشکش ٹھکرا دی اور اپنی عصمت و عفت کے تحفظ کے لیے بآواز بلند پکارنے لگی:

''مسلمانو! میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ یہ امیر مجھے اپنے گھر لے جا کر مجھ پر دست درازی کرنا چاہتا ہے۔ میرے شوہر نے قسم کھا کر مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اس کے علاوہ کسی کے گھر میں رات گزاروں تو مجھے طلاق۔ ایسی صورت میں اگر میں امیر کے گھر رات بھر رہ جاتی ہوں تو مجھے طلاق ہو جائے گی۔ نیز اس وجہ سے مجھے ننگ و عار کا سامنا کرنا پڑے گا جو زندگی بھر میری بدنامی اور ذلت و رسوائی کا سبب بنا رہے گا، میرے آنسو اس ذلت و رسوائی اور بدنامی کو عمر بھر نہیں پونچھ سکیں گے۔''

امام نے آگے بیان کیا:

عورت چیختی رہی، چلاتی رہی مگر کسی نے بھی اس کی آواز پر لبیک کہنے کی جرأت نہ کی۔ ادھر ظالم امیر عورت کو اپنے گھر میں داخل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے عورت کے ساتھ ترک امیر کا ظلم دیکھا تو میری غیرت و حمیت جاگ اٹھی اور میں نے عورت کو اس ظالم کے شکنجے سے چھڑانے کی ٹھان لی۔ میں امیر کے پاس پہنچا اور اس کی سرزنش کرنے لگا کہ عورت کو چھوڑ دو تا کہ وہ اپنے گھر جائے۔ اس ظالم نے میری ایک نہ سنی اور اپنی لاٹھی سے میرا سر پھوڑ دیا اور اس دوران میں وہ اس عورت کو مغلوب کر کے اپنے گھر کے اندر لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں پٹ کر اپنے گھر واپس آیا، خون دھویا اور سر پر پٹی کی۔ پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر ان سے یوں مخاطب ہوا:

«إِنَّ هٰذَا قَدْ فَعَلَ مَا قَدْ عَلِمْتُمْ فَقُومُوا مَعِيَ إِلَيْهِ لِنُنْكِرَ عَلَيْهِ وَ

نُخَلِّصُ الْمَرْأَةَ مِنْهُ»

''اس امیر نے جو کچھ کیا ہے وہ تم لوگوں سے مخفی نہیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ تا کہ ہم اس کے سامنے احتجاج کریں اور عورت کو اس کے شکنجے سے چھٹکارا دلائیں۔''

سارے مقتدی میرے ساتھ ہو لیے، چنانچہ ہم لوگوں نے جا کر اس امیر کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ امیر اپنے سپاہیوں اور نوکروں کے ساتھ نکلا جو اپنے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور لوہے کے گرز لیے ہوئے تھے۔ پھر انھوں نے ہم لوگوں کو ایک طرف سے مارنا شروع کر دیا۔ امیر نے خاص طور سے مجھے گھیر لیا اور بہت مارا' حتیٰ کہ میں لہولہان ہو گیا۔ ہمیں وہاں سے دھکے دے کر نکالا گیا۔ یہ ہماری ذلت و رسوائی کی انتہا تھی۔

غرض ہمیں مقصد میں کامیابی کی بجائے ذلیل ہو کر وہاں سے لوٹنا پڑا۔ مجھے تو اس قدر شدید مار پڑی تھی کہ سخت تکلیف اور خون بہنے کی وجہ سے گھر کے راستے کی صحیح سمت بھی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ میں جیسے تیسے گھر پہنچا اور فرش پر لیٹ رہا مگر نیند کہاں سے آئے۔ میں بے حد مضطرب و پریشان تھا کہ کون سا طریقہ اختیار کر کے اس مظلوم عورت کو اس ظالم امیر کے پنجے سے چھڑاؤں تا کہ وہ اپنے گھر چلی جائے اور اس کی طلاق واقع نہ ہو سکے۔

میں اسی کشمکش میں تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک بات ڈالی' وہ یہ کہ میں اسی وقت صبح کی اذان پکاروں تا کہ امیر یہ سمجھ کر عورت کو اپنے گھر سے نکال دے کہ شاید فجر طلوع ہو چکی اور پھر وہ عورت اپنے گھر چلی جائے تا کہ اس کو طلاق نہ ہو، چنانچہ میں منارے پر چڑھ کر امیر کے گھر کی طرف دیکھنے لگا کہ دروازہ کھلا یا نہیں' اور کیا عورت گھر سے نکلی ہے یا نہیں؟ پھر میں نے اذان دے دی' پھر

بھی عورت امیر کے گھر سے نکلتی ہوئی نظر نہیں آئی۔

اب میں نے عزم کر لیا کہ اقامت بھی کہہ دوں تا کہ امیر کو بالیقین معلوم ہو جائے کہ فجر طلوع ہو چکی ہے، پھر وہ عورت کو گھر سے نکال دے۔ میں ابھی اقامت کہنے کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ یکا یک راستہ گھڑ سواروں اور پیدل چلنے والے سپاہیوں سے بھر گیا اور وہ سب یک زباں ہو کر کہنے لگے:

«أَيْنَ الَّذِي أَذَّنَ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟»

''اس وقت اذان دینے والا کہاں ہے؟''

میں کہنے لگا: میں نے اذان دی ہے۔ میں اس اذان سے تم لوگوں کی مدد حاصل کرنا چاہتا تھا' لہٰذا تم لوگ میری مدد کرو۔

سپاہیوں نے کہا: پہلے منارے سے نیچے اترو اور امیر المؤمنین معتضد باللہ کے پاس چل کر اپنی صفائی پیش کرو کہ اس وقت تم نے اذان کیوں دی ہے؟

جب میں خلیفہ معتضد باللہ کے پاس پہنچا تو وہ خلافت کی مسند پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ کر کانپ گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ نے مجھے قریب ہونے کو کہا۔ میں قریب ہوا اور میرا حال یہ تھا کہ میرا جسم تھرا رہا تھا۔ خلیفہ نے کہا:

«لِيَسْكُنْ رَوْعُكَ وَلْيَهْدَأْ قَلْبُكَ»

''تیرا خوف ختم اور تیرا دل مطمئن ہونا چاہیے۔''

پھر خلیفہ نے میرے خوف و دہشت کو ختم کرنے کے لیے انتہائی نرمی سے گفتگو کی اور میرے ساتھ ملاطفت کرتا رہا' حتیٰ کہ میں بالکل مطمئن ہو گیا اور دہشت کی وجہ سے جو کیفیت میرے اوپر طاری تھی وہ زائل ہو گئی۔ پھر خلیفہ گویا ہوا:

«أَنْتَ الَّذِي أَذَّنْتَ هٰذِهِ السَّاعَةَ؟»

''تم ہی ہو جس نے اس وقت اذان دی ہے؟''

میں نے عرض کی: جی ہاں، اے امیر المؤمنین!

خلیفہ نے پوچھا: بات کیا ہے؟ اس وقت اذان کیوں دی ہے جبکہ ابھی اذان فجر میں خاصا وقت باقی ہے؟ تمھاری اس اذان سے نہ جانیں کتنے روزے داروں مسافروں اور نمازیوں کو دھوکا ہوا ہوگا؟

میں نے عرض کی: امیر المؤمنین اگر مجھے امان کا پروانہ جاری کر دیں تو میں حقیقت حال سے آگاہ کروں۔

خلیفہ نے کہا: ہاں میری طرف سے امان ہے' اپنی بات بلا جھجک بیان کرو۔

پھر میں نے خلیفہ کو پوری داستان سنا ڈالی۔ سنتے ہی خلیفہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس ظالم امیر اور اس کے شکنجے میں پھنسی عورت کو ہر حالت میں فوراً حاضر کیا جائے۔

آناً فاناً وہ دونوں حاضر کیے گئے۔ خلیفہ نے چند معتمد خواتین کے ساتھ اس عورت کو اس کے گھر بھیج دیا اور اس کے شوہر کو یہ کہلا بھیجا کہ وہ اپنی بیوی سے درگزر کرے اور اس کے ساتھ احسان کرے کیونکہ اس کی بیوی معذور ہے اور اس پر زبردستی دست درازی ہوئی ہے۔ پھر خلیفہ اس نوجوان ترک امیر کی طرف متوجہ ہوا: تیرے پاس مال و دولت کے ساتھ ساتھ بیویاں اور لونڈیاں کتنی ہیں؟

امیر نے خلیفہ کو بتایا کہ اس کے پاس بہت سارا مال ہے' بیویاں بھی ہیں اور بہت سی لونڈیاں بھی ہیں۔

خلیفہ نے کہا: تیری بربادی ہو' تیرا ناس ہو! اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر اتنے سارے احسانات کیے ہیں، پھر بھی تو حرمات وحدودِ الٰہی کو پھلانگ گیا اور اس قدر

جرأت مندانہ اقدام کیا کہ جس آدمی نے تجھے برائی سے روکا اور بھلائی کا حکم دیا اس کی پٹائی کر دی' اس کو ذلیل و رسوا کیا اور اس کو لہولہان کر دیا؟

خلیفہ کی باتوں کا اس مجرم امیر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ خلیفہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا: اس کے پاؤں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ڈال کر بوری کے اندر ڈال دو اور لاٹھیوں سے اس کو خوب مارو۔

سپاہیوں نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی۔ مجرم امیر کے پیروں میں بیڑیاں پہنائی گئیں' اس کی گردن میں طوق ڈالا گیا' اور اسے بوری میں ڈال کر اس کے اوپر لاٹھیاں برسائی جانے لگیں۔ وہ زور زور سے چیخ رہا تھا' ہائے ہائے کہہ کر چلا رہا تھا مگر کوئی اس کو رحم کی بھیک دینے کو تیار نہ تھا' کوئی اس کی آواز پر کان دھرنے والا نہ تھا۔ چلاتے چلاتے اس کی آواز یکا یک پست ہوگئی اور پھر اس کے بعد خلیفہ کے حکم سے اس کو اٹھا کر بوری سمیت دریائے دجلہ میں پھینک دیا گیا۔

اس عبرتناک سزا کے بعد خلیفہ معتضد باللہ نے اس کا وہ مال و جائیداد جسے اس نے ظالمانہ و غاصبانہ طور پر اپنے قبضے میں کر رکھا تھا' بیت المال میں ضم کرنے کا حکم دیا اور پھر غیرت و حمیت سے سرشار اس مرد صالح اور خیاط امام کی طرف یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوا:

''امام صاحب! آپ جائیں۔ اس کے بعد کسی بھی قسم کا منکر دیکھیں اور اس کا ارتکاب کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو' اگر آپ مجھ تک پہنچ سکتے ہیں تو آ کر مجھ سے شکایت کریں اور اگر آپ مجھ تک نہ پہنچ سکیں تو اسی وقت اذان دے دیں جیسے اس مقدمہ کو منظر عام پر لانے کے لیے آپ نے اذان دی تھی۔''

تاجر کا بیان ہے: یہ تفصیلی داستان سنانے کے بعد خیاط امام نے مجھے بتایا کہ

اس واقعے کے بعد اگر میں کسی بھی حکومتی آدمی کو کوئی بھلائی کا کام بتاتا ہوں تو اس کو قبول کرتا ہے اور جب کسی منکر سے روکتا ہوں فوراً رک جاتا ہے' کیونکہ اس کے اوپر خلیفہ معتضد باللہ کا خوف طاری رہتا ہے۔ مگر آج تک دوبارہ اس قسم کی اذان دینے کی نوبت نہیں آ سکی اور اس اذان کی جو قدر و قیمت ہے وہ تم نے دیکھ ہی لی۔ (2)

(1) قاضی ابوالحسن محمد بن عبدالواحد ہاشمی، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے تھے۔ وہ البرقانی کے بقول ثقہ راوی حدیث، فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ (تاریخ بغداد ج 2 ص359-360)

(2) دیکھیے: البداية والنهاية لابن كثير: 14/704-707 دار ہجر' المنتظم لابن الجوزی:317/12)

حکومت کے زوال پذیر ہونے کا سبب

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کسی حاکم نے اپنے شہر کی ویرانی کا شکایت نامہ بھیجا اور امیر المؤمنین سے اس کو آباد کرنے کے لیے مال طلب کیا۔

امیر المؤمنین نے اس کو جواب میں لکھا:

«فَإِذَا قَرَأْتَ كِتَابِي فَحَصِّنْ مَدِينَتَكَ بِالْعَدْلِ وَوَنِّقْ طُرُقَهَا مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّهُ حُرْمَتُهَا ، وَالسَّلَامُ»

''جب تم میرا خط پڑھو تو اپنے شہر کو عدل وانصاف کے ذریعے سے محفوظ کر دو' اور شہر کے راستوں سے ظلم وزیادتی دور کر دو' کیونکہ ظلم وزیادتی ہی شہر کی ویرانی کا باعث ہے۔ والسلام''

یہ درست کہا گیا ہے:

«لاَ مُلْكَ إِلاَّ بِالْجُنْدِ وَلاَ جُنْدَ إِلاَّ بِالْمَالِ وَلاَ مَالَ إِلاَّ بِالْبِلاَدِ وَلاَ بِلاَدَ إِلاَّ بِرِعَايَا وَلاَ رِعَايَا إِلاَّ بِالْعَدْلِ»

''ملک لشکر کے بغیر نہیں' لشکر مال کے بغیر نہیں' مال شہروں کے بغیر نہیں' شہر عوام کے بغیر نہیں اور عوام انصاف کے بغیر نہیں۔''

اس چھت کی کڑیوں کی تعداد کتنی ہے؟

قاضی ایاس کہتے ہیں: میں صرف ایک آدمی سے مغلوب ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں بصرہ کی عدالت میں تھا' اتنے میں ایک آدمی میرے پاس بحیثیت گواہ حاضر ہوا اور گواہی دی کہ فلاں باغیچے کا مالک فلاں آدمی ہے۔ میں نے اس گواہ کو جانچنا چاہا کہ وہ جس بات کی گواہی دے رہا ہے اس کی جانکاری اسے کہاں تک ہے' چنانچہ میں نے پوچھا: اس باغیچے میں کتنے درخت ہیں؟

گواہ بولا: میرے آقا قاضی صاحب اس عدالت میں کتنے برسوں سے منصبِ قضا کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں؟

میں نے گھبرا کر کہا: اتنے برسوں سے۔

گواہ بولا: اس چھت کی کڑیوں کی تعداد کتنی ہے؟

گواہ کے سوال کا مقصد میں سمجھ گیا اور کہا: حق تمھارے ساتھ ہے۔ جاؤ میں نے تمھاری شہادت قبول کی۔

عدل کا کرشمہ!

اس واقعے کو شام کے مشہور مؤلف اور مصنف الشیخ علی الطنطاوی رحمہ اللہ کی کتاب قصص من التاریخ سے اختصار اور معمولی تصرف کے بعد لیا گیا ہے۔

سمرقند کی ایک گہری سرد رات میں ایک شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے' چاروں طرف گھپ اندھیرا ہے۔ اس کا رخ شاہی محل کی طرف ہے۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اندھیرے میں راستہ تلاش کرتا بالآخر محل کے قریب جا پہنچتا ہے۔ اس کے ایک جانب معبد ہے۔ اس کے دروازے پر ایک بہت بھاری پتھر رکھا ہوا ہے جس پر مورتیاں کھدی ہوئی ہیں۔ اس پر رعب طاری ہے۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ معبد میں داخل ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے اس کو کبھی یہ موقع میسر نہیں آیا۔

یہ بھاری بھرکم نوجوان بزدل نہیں بلکہ نہایت بہادر شخص ہے۔ اس کا قد خاصا لمبا ہے۔ نہایت ذہین وفطین ہے۔ سوچ اور فکر بلند ہے، وہ نہایت مدبر ہے۔ مقامی زبان تو اس کی مادری ہے مگر اس میں ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس کو عربی زبان پر عبور حاصل ہے اور وہ فرفر عربی زبان بولتا ہے۔ اسے معبد کے سب سے بڑے عہدے دار نے ملاقات کے لیے بلوا رکھا ہے۔ اس ملاقات کے شوق اور خوف نے اسے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس کا جسم کانپ رہا ہے۔ اس معبد میں بہت کم لوگ داخل ہو سکتے ہیں اور جو اس کے ذمہ داران ہیں وہ بس ایک مرتبہ اندر داخل ہوتے ہیں اور پھر ساری زندگی ان کو سورج کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا گیا۔ اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ اگلے کمرے کے وسط میں اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو دیکھا۔ اس کی سفید لمبی ڈاڑھی

تھی۔ اس نے اس کو اس کے نام سے پکارا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ معبد کا چوکیدار ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ کئی غلام گردشوں سے گزرنے کے بعد کاہنوں کے سردار کے سامنے جا پہنچا۔ ان کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ معبد سے نہیں نکلتے تھے۔ بہت کم لوگ ہی ان سے ملاقات کر پاتے۔ اس ملک کے حقیقی حکمران یہی کاہن تھے۔ کوئی بھی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ ان کی حکم عدولی دراصل خداؤں کی نافرمانی کے مترادف ہے اور ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہوں گے۔

اس نوجوان کی نگاہیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ کاہن ایک صف میں کھڑے تھے۔ اس نے بڑے کاہن کی طرف اپنے کان لگا دیے جو آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا تھا۔ پہلے تو اسے کچھ سمجھ نہ آئی مگر بتدریج اس کو مفہوم سمجھ آنے لگا کہ وہ سمرقند کی تاریخ اور اس کا ماضی بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ کس طرح مسلمانوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم نے اس قبضے کے خلاف کتنی ہی ناکام کوششیں کیں مگر ان کا اقتدار بتدریج پکا ہوتا جا رہا ہے۔ اب ہم ترپ کا پتہ پھینکنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم نے سنا ہے کہ اس قوم کا بادشاہ نہایت عادل شخص ہے، وہ دمشق میں رہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا جائے جس کے ہاتھ ہم اپنی شکایت ارسال کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کرتا ہے۔ چونکہ تم عربی زبان سے واقف ہو لہٰذا ہم نے تمھیں منتخب کیا ہے۔ تم نہایت ذہین اور دلیر بھی ہو۔ گفتگو کا فن جانتے ہو۔ کیا تم اس کام کے لیے آمادہ ہو؟ نوجوان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بڑا کاہن کہنے لگا کہ پھر فوری طور پر اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ تمھیں زادِ راہ

وافر مہیا کر دیا جائے گا۔ نوجوان وہاں سے نکلا تو خوشی اور مسرت اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ آج سب سے بڑے کاہن نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے۔ مجھے ایک عظیم مشن کے لیے منتخب کیا ہے۔ اب وقت ہے کہ میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکوں۔ سمرقند کو آزادی دلانے میں میرا بھی حصہ ہو گا۔ وہ گھر واپس آیا اور سفر کی تیاری کرنے لگا۔ معبد کی طرف سے اس کو زادراہ وافر مقدار میں مہیا کر دیا گیا۔ اس کا تیز رفتار گھوڑا اس کے ہمراہ تھا۔ وہ اس پر سوار ہوا اس کا رخ بخارا کی طرف تھا۔ وہ مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا حلب پہنچ گیا۔ دمشق اس کی آخری منزل تھی جو اب بالکل قریب تھی۔ اور وہ دن بھی آیا جب وہ دمشق میں داخل ہو رہا تھا۔

دمشق جو مسلمانوں کا دارالخلافہ تھا، ان کی عظمت کا نشان، بہت بڑا شہر، نہایت صاف ستھرا، تہذیب یافتہ تھا۔ اسے یہ سمرقند سے کہیں بڑا نظر آیا۔

وہ ایک سرائے میں اترا اور اس کے مالک سے پوچھا کہ امیر المؤمنین سے ملنے کا کیا طریقہ ہے۔

سرائے کے مالک نے کہا کہ ہمارے امیر المؤمنین سے ملنا نہایت آسان ہے۔ تم مسجد اموی کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں کسی بھی شخص سے ان کے گھر کا راستہ پوچھ لینا۔ وہاں کوئی پہرے دار نہیں ہے نہ ملاقات پر کوئی پابندی ہے۔

وہ مسجد اموی میں داخل ہوا۔ ایسی خوبصورت عمارت اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ یہی شاہی محل ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نے ایک شخص سے پوچھ ہی لیا۔ اس کے لہجے اور شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ اس شخص نے کہا:

کیا تم قصر خلافت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو؟

مگر کیا یہ قصر خلافت نہیں ہے؟ اس نے تعجب سے پوچھا۔ اس شخص نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں کہا: نہیں، اجنبی دوست، یہ تو اللہ کا گھر ہے، یہ مسجد ہے۔

کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟

نماز...... میں کیسے نماز ادا کر سکتا ہوں؟ میں تو سمر قند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔ اس دین کو کاہنوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ اسرار سے بھرا ہوا ہے!

آدمی نے سمر قندی سے دوبارہ سوال کیا تو اس نے کہا کہ میں نماز کیسے پڑھوں؟ مجھے نماز کا طریقہ ہی معلوم نہیں۔

اس نے پوچھا: تمھارا دین کیا ہے؟

کہنے لگا: میں سمر قند کے کاہنوں کے دین پر ہوں۔

سوال ہوا: ان کا دین کیا ہے؟

جواب ملا: مجھے معلوم نہیں۔

سوال: پھر تمھارا رب کون ہے؟

اس نے جواب دیا: معبد کا خدا۔

اب اس نے اگلا سوال کیا: اگر تم اس سے مانگو تو کیا تمھیں عطا کرتا ہے اور اگر تم بیمار ہو تو تمھیں شفا دیتا ہے؟

کہنے لگا: مجھے معلوم نہیں۔

اس شخص نے موقع غنیمت جانا کہ ایک شخص شکل وصورت سے ذہین وفطین ہے، اجنبی ہے۔ اس کا کوئی دین اور مذہب نہیں، اس کو دین کے اصول بتائے جائیں؛ چنانچہ اس نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور پھر چند لمحوں کی بات تھی، اس سمر قندی کے دل کا غبار چھٹ گیا اور اس نے کلمہ توحید پڑھ لیا اور دین اسلام

میں داخل ہو گیا۔

اب اس شخص نے اپنے اس نومسلم بھائی سے کہا:

چلو ہم امیر المؤمنین سے ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ وقت انھوں نے گھر والوں کے لیے مختص کیا ہوا ہے، پھر بھی وہ بڑے متواضع ہیں۔ مسجد سے نکل کر وہ گلی میں آئے۔ نہایت ہی سادہ سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے اس نے بتایا کہ یہ امیر المؤمنین کا گھر ہے۔ اس کو تعجب ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ بڑا عالیشان محل ہو گا۔ مگر یہ تو معمولی گھر ہے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ خلیفۂ عادل عمر بن عبدالعزیز نے اس کا حال پوچھا اور آنے کا مقصد معلوم کیا: بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہے۔ یہ دھوکے سے قبضہ ہوا ہے، نہ تو اعلان جنگ ہوا اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی گئی، ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمانے لگے: اللہ کے نبی نے ہمیں ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہمیں عدل وانصاف کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ آواز دی: اے غلام! کاغذ اور قلم لایا جائے۔

غلام کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر حاضر ہو گیا۔ اس پر دوسطریں لکھیں، اس پر مہر لگائی، پھر اس کو سربمہر کر کے سمرقندی سے کہا کہ اسے اپنے شہر کے حاکم کے پاس لے جاؤ۔

سمرقندی واپس ہوا۔ اب اس کا سینہ توحید کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ جہاں جاتا وہاں سیدھا مسجد میں داخل ہوتا۔ نماز پڑھتا' اور اپنے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کر کے اپنی منزل کو روانہ ہو جاتا۔ سفر کی ایک عجیب لذت تھی۔ اب اس کے لیے

کوئی شخص اجنبی تھا نہ وہ دوسروں کے لیے اجنبی۔ وہ جس مسجد میں نماز ادا کرتا، لوگ اس کی طرف دیکھتے۔ اس کی شکل و شباہت سے پتہ چل جاتا کہ وہ مسافر ہے۔ اس علاقے کا رہنے والا نہیں ہے۔ اور پھر نمازیوں میں اس کی مہمان نوازی کے لیے بازی لے جانے کی کوشش ہوتی۔ ہر کوئی اسے اپنے گھر میں لے جانے اور اس کی ضیافت کرنے کے لیے اصرار کرتا۔ اب اس کو مسجد کی اہمیت اور اس دین حنیف کی بے شمار خوبیوں کا ادراک ہو چلا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب وہ سمرقند میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیدھا معبد کی طرف گیا۔ اس نے کاہنوں کو رپورٹ دینی تھی۔ ان کو خلیفۃ المسلمین کے جواب سے مطلع کرنا تھا۔ وہ معبد میں داخل ہوا۔ اب وہ اس کی تاریک گلیوں اور غلام گردشوں سے خائف نہیں تھا۔

پتھروں سے بنے ہوئے بت جو کبھی اس کے لیے معما سے کم نہ تھے، اب ان کی حقیقت سے واقف ہو گیا تھا۔ یہ بت تو ہاتھوں کے بنائے ہوئے تھے' کسی کاریگر کے ہاتھوں کا کمال' نہ نفع ونقصان کے مالک اور نہ اپنے آپ کو کلہاڑے کی ضرب سے بچا سکنے والے۔ وہ ان پر ایک حقارت کی نظر ڈالتا ہوا بڑے دروازے پر جا پہنچا۔ دربان اس کو خوب پہچانتا تھا۔ اور پھر اس کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے۔ اور وہ چند منٹوں کے بعد بڑے کاہن کے سامنے کھڑا تھا۔ کاہن کو اسے دیکھ کر اعتبار نہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہوگا۔ مگر ان کا ایلچی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ان کے سامنے تفصیل سے سفر کے حالات بیان کیے۔ کیسے گیا' کہاں کہاں سے گزرا۔ اپنا اسلام لانے کا واقعہ وہ جان بوجھ کر گول کر گیا۔ خلیفہ سے ملاقات اور حکم نامہ حاصل کرنے تک ایک ایک بات ان کے گوش گزار کی گئی۔ کاہنوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چھا گئی۔ بشاشت ان کے چہروں سے عیاں تھی۔

ہماری آزادی کا وقت آ گیا ہے۔ خلیفہ کی طرف سے واضح حکم ہے کہ قاضی کے سامنے اس مقدمے کو پیش کیا جائے۔ کاہنوں کو مکمل آزادی ہوگی کہ وہ اپنے دلائل دیں۔ مُدّعا علیہ قتیبہ بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوگا اور پھر قاضی جو فیصلہ دے اس کو نافذ کیا جائے۔

اور پھر وہ دن آ گیا جس کا اہل سمرقند کو انتظار تھا۔ بے شمار لوگ اس تاریخی مقدمے کی کارروائی سننے کے لیے چلے آئے۔ عدالت مسجد میں لگی ہوئی ہے۔ وہ کاہن جن کو کبھی کسی شخص نے نہ دیکھا تھا، مقدمے کی پیروی کے لیے حاضر ہیں۔ مسلمانوں کا سپہ سالار، امیر اور فاتح قتیبہ بھی حاضر ہے۔ سب کے سب قاضی کے منتظر ہیں۔

کاہن کس بات کی امید اور مقدمہ لے آئے ہیں؟ ذرا غور کیجیے، یہ کہ ایک فاتح قوم مفتوح علاقوں سے نکل جائے۔ مقدمہ جس شخصیت پر دائر کیا گیا ہے وہ عظیم قائد اور سپہ سالار ہے۔ نگاہیں مسجد کے دروازے کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ کب قاضی داخل ہوتا ہے۔ حاضرین کو بہت زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ ایک چھوٹے قد اور نحیف جسم والا شخص، معمولی لباس پہنے، سر پر عمامہ رکھے ہوئے دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے اس کا غلام ہے۔ لوگوں میں سناٹا چھا گیا ہے۔ بعض نے اپنی انگلیاں منہ میں دبا لی ہیں۔ اچھا یہ ہے مسلمانوں کا قاضی۔ یہ خلیفہ اور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے خلاف فیصلہ دے گا۔

قاضی مسجد کے ایک کونے میں اپنی نشست سنبھالتا ہے۔ اس کا غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ بغیر کسی لقب کے امیر کا نام لے کر اسے بلایا جا رہا ہے کہ وہ عدالت کے سامنے حاضر ہو۔ امیر شہر حاضر ہوا۔ عدالت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اب غلام کاہنوں کے سردار کو بلوا رہا ہے جو امیر کے ایک طرف بیٹھ گیا ہے۔ اور اب

عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب ہے: بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا:

«إِنَّ الْقَائِدَ الْمُجِيلَ قُتَيبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ قَدْ دَخَلَ بَلَدَنَا غَدْرًا مِنْ غَيْرِ مُنَابَذَةٍ وَلَا دَعْوَةٍ إِلَى الإِسْلَامِ»

''قائدعصر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک میں دھوکے سے داخل ہوئے۔ اعلانِ جنگ نہیں کیا اور ہمیں اسلام کی دعوت بھی نہیں دی گئی۔''

قاضی نے اب امیر کی طرف دیکھا کہ تم کیا کہتے ہو؟

اس نے قاضی کو دیکھا اور گویا ہوا:

«إِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ وَهٰذَا بَلَدٌ عَظِيمٌ قَدْ أَنْقَذَهُ اللهُ بِنَا مِنَ الْكُفْرِ وَأَوْرَثَهُ الْمُسْلِمِينَ»

''لڑائی تو دھوکا ہوتی ہے۔ یہ ملک بہت بڑا ملک ہے' اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے کفر و شرک سے محفوظ فرمایا ہے اور اسے مسلمانوں کی ملکیت اور وراثت میں دے دیا ہے۔''

قاضی: کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں صورتوں میں انکار پر لڑائی کی دعوت دی تھی۔

سپہ سالار: نہیں ایسا تو نہیں ہوا۔

«إِنَّكَ قَدْ أَقْرَرْتَ»

''تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔''

اب آگے قاضی کے الفاظ پر غور کریں:

«وَإِنَّ اللهَ مَا نَصَرَ هٰذِهِ الأُمَّةَ إِلَّا بِاتِّبَاعِ الدِّينِ وَاجْتِنَابِ الْغَدْرِ»
''اللہ رب العزت نے اس امت کی مدد اس لیے کی ہے کہ اس نے دین کی اتباع کی اور دھوکا دہی سے اجتناب کیا''۔

«وَإِنَّا وَاللهِ مَا خَرَجْنَا مِنْ بُيُوتِنَا إِلَّا جِهَادًا فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَا خَرَجْنَا لِنَمْلِكَ الأَرْضَ»
''اللہ کی قسم! ہم اپنے گھروں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلے ہیں، ہمارا مقصود زمین پر قبضہ جمانا نہیں ہے۔''

«وَلَا لِنَعْلُوَ فِيهَا بِغَيْرِ الْحَقِّ، حَكَمْتُ بِأَنْ يَخْرُجَ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْبَلَدِ»
''اور نہ حق کے بغیر وہاں حکومت کرنا ہمارا مقصد ہے۔ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مسلمان اس شہر سے نکل جائیں۔''

«وَيَرُدُّوهُ إِلَى أَهْلِهِ ثُمَّ يَدْعُوهُمْ وَيُنَابِذُوهُمْ وَيُعْلِنُوا الْحَرْبَ عَلَيْهِمْ»
''اور شہر اس کے اصل باشندوں کو واپس کریں۔ پھر ان کو دعوتِ دین دیں' جنگ کا چیلنج دیں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔''

اہلِ سمرقند اور کاہنوں نے اس فیصلے کو سنا' ان کے کانوں اور آنکھوں نے جو سنا اور دیکھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے سوچا ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ قاضی نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ بہت سوں کو تو پتہ ہی نہ چلا کہ عدالت برخاست ہو چکی ہے اور قاضی اور امیر روانہ بھی ہو چکے ہیں۔

ہمارا سمرقندی (مسلم) سفیر بڑی حیرت سے بڑے کاہن کی طرف دیکھ رہا

ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات کو خوب غور سے دیکھتا ہے۔ چہرے کے رنگ بدل رہے ہیں۔ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہے۔ بڑے کاہن نے اپنے دماغ پر زور دینا شروع کیا ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئی ہیں۔ اس نے اپنی سابقہ زندگی پر غور کرنا شروع کیا ہے۔ اپنے عقیدے اور منہج کے بارے میں سوچتا ہے: کتنا عجیب و غریب عقیدہ ہے۔ اس کا دائرہ کتنا مختصر اور چھوٹا ہے جو صرف کاہنوں کے درمیان گھومتا ہے؟ اور اب اس کا ذہن دین اسلام کے حوالے سے سوچ رہا ہے۔ اس کا دائرہ کتنا وسیع اور بڑا ہے۔ خیر سے بھرپور' عدل وانصاف کرنے والا دین' جس کی بلندیوں کو سورج کی شعاعیں اور چاند کی روشنی بھی چھونے سے قاصر ہیں' وہ آنکھیں بند کر کے کتنی ہی دیر بیٹھا سوچتا رہتا ہے۔ اس کا ذہن اور فکر مسلسل بدل رہا ہے۔ میں کب تک اندھیروں میں رہوں گا؟ روشنی تو بڑی واضح ہے۔ یقیناً اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس میں چھوٹا بڑا سب برابر ہیں۔ آج عدالت میں سب لوگوں نے دیکھا قاضی کے سامنے حاکم کس طرح سرنگوں ہو کر بیٹھا تھا۔ کیا ہمارا بادشاہ اس طرح عدالت کے سامنے پیش ہوسکتا ہے؟ وہ ابھی اسی غور و فکر میں تھا کہ اسے گھوڑوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ لوگ بازاروں سے گزر رہے تھے۔ شور برپا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ آوازوں کی طرف کان لگائے۔ اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے۔

اسے بتایا گیا کہ قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور فوجیں واپس جا رہی ہیں۔ ہاں وہ عظیم افواج جن کے سامنے یثرب سے لے کر سمرقند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی، جنھوں نے قیصر و کسریٰ اور خاقان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جو طاقت بھی مسلمانوں کے راستے میں آئی اسے وہ خس و خاشاک کی

طرح بہا کر لے گئے۔ مگر آج اسلامی فوج ایک کمزور سے، نحیف ونزار جسم کے مالک قاضی کے فیصلے کے سامنے دست بردار ہو گئی ہے۔ آج صبح کی بات ہے ایک شخص جس کے ساتھ صرف ایک غلام تھا، اس نے مقدمے کی سماعت کی۔ چند منٹوں کی سماعت۔ عدالت میں دوطرفہ بیانات سنے۔ سپہ سالار کا اقرار اور پھر دو تین فقروں پر مشتمل فیصلہ۔ مسلمانوں کے امیر کو عدالت نے شہر خالی کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت کے حکم کے مطابق وہ باقاعدہ چیلنج دیں گے اور پھر دوبارہ لڑائی کریں گے۔

کاہن اپنے ساتھیوں کی باتیں سنتا جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے آپ سے سوال کیا: کیا اہل سمرقند اس سیل رواں کے سامنے ڈٹ سکیں گے؟ کیا ان کے پاس مقابلے کی قوت ہے؟ دنیا کے تمام ممالک ان کے سامنے جھک گئے۔ کیا ہمارا دینِ باطل اس حق کے سامنے ٹھہر سکے گا؟ کیا وہ نورِ اسلام کا مقابلہ کر پائے گا؟

نہیں ہرگز نہیں۔ رب کا فیصلہ آ چکا ہے کہ ظلم وستم کی رات کو ختم ہونا ہے۔ دنیا پر نئی فجر طلوع ہو رہی ہے۔ اس نور کے مقابلے میں کوئی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمھاری کیا رائے ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں گے؟ ارے جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس نے انھیں پکارا۔ سمرقندی مسلم ایلچی زور سے کہنے لگا: ساتھیو! میرا فیصلہ اور مشورہ سنو۔ کان اس کی طرف لگ گئے۔ اس نے کہا:

«فَلَقَدْ شَهِدْتُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

''میں گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

اب بڑے کاہن کی یہ کہنے کی باری تھی: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے

سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں اور چوک اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ انھوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لی ہیں۔ اس ملک سے واپس مت جائیں۔ ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ ہم نے اپنوں کا راج دیکھا، ان کے ظلم وستم سے ہم خوب واقف ہیں۔ آپ سب لوٹ آئیں۔ ہم نے بھی تمھارے دین کو قبول کر لیا ہے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمان فوج واپس ایک مفتوح شہر میں داخل ہو رہی ہے۔

«لَمْ يَبْقَ حَاكِمٌ وَلاَ مَحْكُومٌ وَلاَ غَالِبٌ وَلاَ مَغْلُوبٌ صَارَ الْجَمِيعُ إِخْوَانًا فِي اللهِ»

''کوئی حاکم ومحکوم باقی نہیں رہا، کوئی غالب اور مغلوب نہیں رہا، تمام کے تمام اسلامی بھائی بن گئے ہیں۔''

کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔ کوئی طاقتور کمزور پر بھاری نہیں۔ ہاں فرق کرنے والی چیز صرف تقویٰ ہے۔

اس طرح سمرقند کی سرزمین میں اسلام کی دولت داخل ہوگئی اور پھر اس میں سے کبھی یہ دولت نہیں نکل سکی۔

چھ ماہ کے مولود کا فیصلہ

سلف کا یہ دستور تھا کہ نوعیت مسئلہ سمجھنے کے بعد اجتہاد کی بنیاد پر اگر کوئی فیصلہ کرتے اور ان کے سامنے قرآن کی کوئی آیت یا کوئی صحیح حدیث ان کے اجتہادی فیصلہ کی تردید میں پیش کی جاتی تو وہ اپنے فیصلے پر اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو ترجیح دینے میں بالکل پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ اس کی ایک واضح مثال درج ذیل واقعہ ہے:

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (1) کے عہد خلافت میں ایک عورت نے اپنی شادی کے صرف چھ ماہ بعد ایک بچے کو جنم دیا جبکہ عورتیں عموماً نو یا کم سے کم سات ماہ کے بعد ہی بچہ جنتی ہیں۔ لوگوں کو شک ہوگیا کہ ضرور یہ عورت حقوقِ زوجیت میں خیانت کی مرتکب ہوئی ہے؛ چنانچہ ان کے مابین چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ یہ عورت حق زوجیت کی ادائیگی میں مخلص نہیں ہے، اس کا یہ حمل شادی سے پہلے کا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی اور اس سلسلے میں باقاعدہ مقدمہ پیش ہوا۔

چنانچہ اس عورت کو خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا تاکہ اسے سزا دی جائے۔ وہاں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، اور خلیفہ کے قاضی وہی تھے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا: لوگو! تم صرف اس وجہ سے کہ عورت نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنم دیا ہے، اس کو سزا نہیں دے سکتے اور نہ اس پر یہ الزام عائد ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے حق میں مخلص نہیں ہے۔

لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات پر بڑا تعجب کیا اور پوچھا: آخر آپ یہ بات

کس بنیاد پر کہہ رہے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾

''عورت کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے ہے۔''

[الاحقاف:۱۵]

یعنی حمل اور رضاعت کی پوری مدت تیس ماہ (دو سال چھ ماہ) کی ہے۔

اور سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ﴾

''مائیں اپنی اولادوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں''۔[البقرۃ:۲۳۳]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق دودھ پلانے کی مدت دو سال یعنی چوبیس مہینے ہے۔ گویا حمل اور رضاعت کی کل مدت تیس ماہ بنتی ہے۔ اس میں سے چوبیس مہینے تو دودھ پلانے کی مدت ہے اور باقی چھ ماہ حمل کے رہ گئے' لہٰذا چھ ماہ میں اگر کوئی عورت بچہ جنم دے تو وہ قابل سرزنش نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا بچہ اس کے شوہر ہی کا شمار ہوگا۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کی بنا پر عورت رجم ہوتے ہوتے بچ گئی۔ (2)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مذکورہ دونوں آیات سے اور سورۃ لقمان کی آیت (14): ﴿ وَّفِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ ﴾ سے یہ استدلال کیا ہے کہ وضع حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ چھ ماہ میں اگر کوئی عورت بچہ جنے تو اس کی سرزنش نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا بچہ اس کے شوہر ہی کا شمار ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استنباط صحیح اور قوی ہے۔ اس رائے سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ مصنف عبدالرزاق کی حدیث (13444) کے مطابق امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اتفاق کیا ہے۔

---

(1) خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بنو اُمیہ سے تھے۔ عبد مناف پر ان کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ یہ ہجرت سے 47 سال پہلے پیدا ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں رقیہ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ وہ 24ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ انھوں نے عہد صدیقی میں قرآن کے مدون شدہ نسخے کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں اور دیگر نسخے تلف کرا دیے۔ یوں ساری امت کا ایک قرآن پر اتفاق ہو گیا۔ ان کے عہد میں طرابلس، قبرص، طبرستان، طخارستان (شمالی افغانستان)، کرمان، زابلستان (غزنہ)، خراسان اور سیستان فتح ہوئے۔ 27ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا۔ 32ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سبائی فتنے کے نتیجے میں 18 ذوالحجہ 35ھ کو شہید کر دیا گیا۔

(تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی ص 217-259)

(2) [دیکھیے: مصنف عبدالرزاق (۳۵۲/۷)، رقم (۱۳۴۴۸)] نیز یہ واقعہ دیگر کتب حدیث و کتب تفسیر میں بھی مروی ہے۔

خائن سیکرٹری کا محاسبہ

ایاس بن معاویہ [1] اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور قاضی تھے۔ ایک آدمی نے ان کے ایک سیکرٹری (امین) کے پاس کچھ مال بطور امانت رکھا۔ وہ آدمی امانت رکھوا کر مکہ روانہ ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد واپس آیا تو قاضی کے سیکرٹری سے اپنی رکھی ہوئی امانت طلب کی لیکن اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ آدمی قاضی ایاس کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاملے کی نوعیت سے آگاہ کیا۔

قاضی ایاس: کیا میں تجھے جانتا ہوں' پہلے کبھی میرے پاس آئے ہو؟

وہ بولا: نہیں

قاضی ایاس: میرے سیکرٹری کے پاس مال بطور امانت رکھتے ہوئے کسی کو بتایا تھا؟

اس نے جواب دیا: نہیں' اس معاملے سے کوئی دوسرا واقف نہیں۔

قاضی ایاس: واپس جاؤ اور اپنا معاملہ چھپائے رکھو' پھر دو دنوں کے بعد میرے پاس واپس آنا۔

وہ آدمی واپس چلا گیا تو قاضی ایاس نے اپنے سیکرٹری کو بلایا اور کہا: میرے پاس بہت سارا مال اکٹھا ہو گیا ہے' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تیرے پاس رکھ دوں' کیا تیرا گھر محفوظ ہے؟

سیکرٹری نے عرض کی: ہاں۔

قاضی ایاس نے کہا: مال رکھنے کے لیے جگہ تیار کر و اور دو روز بعد چند آدمیوں کو لاؤ جو مال وہاں لے جا کر رکھیں۔

دو دن بعد وہ آدمی قاضی ایاس بن معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قاضی نے اس سے کہا: تم نے جس سیکرٹری کے پاس مال بطور امانت رکھا تھا اس کے پاس جاؤ اور اپنا مال طلب کرو، اگر وہ تمھاری امانت واپس کر دیتا ہے تو ٹھیک ورنہ اس سے کہنا کہ میں اس مقدمے کو قاضی تک پہنچاؤں گا۔

وہ آدمی اس سیکرٹری کے پاس آیا اور کہا: میرا مال واپس کرو، ورنہ قاضی کے پاس جا کر یہ داستان کہہ سناؤں گا، چنانچہ سیکرٹری نے اس کا مال واپس کر دیا۔

پھر وہ سیکرٹری قاضی ایاس کے فرمان کے مطابق اپنے گھر ان کا مال رکھنے کے لیے حاضر ہوا، تو قاضی ایاس نے اسے بری طرح جھڑکا اور کہا: ''**لا تقربنی یا خائن**'' تم میرے قریب بھی مت آؤ اے خائن![2]

---

(1) قاضی ایاس بن معاویہ حدیث کے ثقہ راوی ہیں۔ ان کی ذہانت و فطانت ضرب المثل تھی۔ صحیح مسلم کے مقدمے میں ان کا ذکر آتا ہے۔ انھوں نے خاصے بڑھاپے میں 121ھ میں وفات پائی۔
(سیر اعلام النبلاء جلد5 ص155)

(2) (طرائف من التراث العربی 'لعبدہ الامیر علی منہا)

مقروض بری!

قاضی کے پاس کچھ لوگ ایک شخص کو پکڑے ہوئے داخل ہوئے۔ قاضی نے اپنا سر اٹھایا، پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگے: یہ ہمارا مقروض ہے۔ ہم اس سے قرض کی ادائیگی کے لیے کہہ رہے ہیں اور یہ ادا نہیں کر رہا!

قاضی نے مقروض کو حکم دیا کہ وہ قرض خواہوں کا قرض ادا کرے۔

مقروض نے کہا: قاضی کی خیر ہو، میرے پاس ایک عمارت ہے جو میں نے کرایے پر دے رکھی ہے۔ کچھ ہی عرصے کی بات ہے، مجھے کرایہ ملنے والا ہے۔ جیسے ہی مجھے یہ کرایہ ملے گا، میں سب کا قرض ادا کر دوں گا۔

قاضی نے قرض خواہوں کی طرف استفسار بھری نگاہ سے دیکھا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

قرض خواہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہمارے علم میں تو اس کی کوئی عمارت یا جائیداد نہیں ہے۔ یہ تو ویسے ہی ہمیں ٹالنے کے لیے کہہ رہا ہے کہ اس کے پاس عمارت ہے، حالانکہ یہ مفلس اور قلاش ہے۔

قرض خواہوں کی بات سننے کے بعد قاضی مقروض کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اب تم جا سکتے ہو۔ فیصلہ تمھارے حق میں ہو گیا ہے، تم قرض ادا نہیں کرو گے۔

یہ فیصلہ سن کر قرض خواہ چونک اٹھے اور کہنے لگے: یہ کیسے ہوگا؟ بھلا یہ بھی کوئی فیصلہ ہے؟

قاضی نے کہا: تم لوگوں نے خود ہی مقروض کے بارے میں گواہی دے دی ہے کہ اس کے پاس کوئی عمارت نہیں ہے؛ بلکہ یہ مفلس اور قلاش ہے، اور ظاہر ہے کہ جب کوئی مفلس ہو جائے تو وہ قرض کی رقم کہاں سے ادا کرے گا۔

عدل ہی سے ملک ہے

خلیفہ منصور عباسی (1) کے زمانے میں کسی حاکم نے ایک آدمی کی جاگیر پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ وہ آدمی خلیفہ کے دربار میں شکایت لے کر گیا اور عرض کی: اللہ آپ کو سلامت رکھے اے امیر المؤمنین! میں اپنی حاجت بیان کروں یا کوئی مثال دوں؟

خلیفہ نے کہا:

حاجت سے پہلے کوئی مثال ہی بیان کرو۔

وہ آدمی گویا ہوا:

بچے کو جب کسی ناپسندیدہ بات کا سامنا ہوتا ہے تو ماں سے بڑھ کر کوئی دوسرا اس کا مددگار نہیں ہوتا۔ جب کچھ ہوش مند ہوتا ہے تو اپنے باپ سے شکایت کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ماں سے زیادہ اس کا باپ اس کا مددگار ہوسکتا ہے۔ پھر جب جوان ہو جاتا ہے تو اپنی شکایت حاکم کے پاس لے جاتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے مقابلے میں حاکم زیادہ طاقت ور ہے۔ پھر جب اس کی عقل میں اضافہ ہوتا ہے تو اپنا مسئلہ سلطان کے دربار میں پیش کرتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سب لوگوں سے زیادہ طاقت ور ہے۔ لیکن جب اسے بادشاہ کے دربار میں بھی انصاف نہیں ملتا تو پھر اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔

مجھے بھی ایک مصیبت آ پڑی ہے اور شکایت لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ سے زیادہ طاقت ور اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔ اگر آپ نے میرے ساتھ انصاف کر دیا تو ٹھیک ورنہ میں بھی انصاف کے لیے اللہ

تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

خلیفہ منصور نے کہا:

ہم تمھارے ساتھ انصاف ہی کریں گے۔

اس نے بتایا کہ آپ کے فلاں حاکم نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے۔ خلیفہ نے اپنے حاکم کو جاگیر واپس کرنے کا حکم دیا اور اس کو لکھا کہ اس آدمی کے لیے اسباب راحت مہیا کرو اور اس کی معیشت کو تشفی بخش بناؤ۔

---

(1) ابوجعفر منصور (136ھ تا 158ھ) دوسرا عباسی خلیفہ تھا جو اپنے بھائی ابوعبداللہ سفاح کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس نے عباسی خلافت کو مستحکم کیا اور بغداد کو دارالحکومت بنایا۔ وہ اپنے بیٹے جعفر کی نسبت سے ابوجعفر کہلاتا تھا۔ زبیدہ جعفر ہی کی بیٹی تھی جو بعد میں اپنے چچازاد ہارون رشید کی ملکہ بنی۔ منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت خلافت پر بیٹھا۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج1 ص 855-889)

ذرا ان انگلیوں کی تعداد بتانا!

قاضی ایاس بن معاویہ کی ذہانت اور فطانت کے چہار سو چرچے تھے۔ عدالت میں بیٹھتے تو ایسے شاندار فیصلے کرتے کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ تاریخ نے ان کے فیصلوں کے حوالے سے متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔ بڑی شخصیات کے جہاں بہت سارے مداح اور عزت وتوقیر کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہاں حاسدین کی بھی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے' چنانچہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو قاضی ایاس کے ساتھ خدا واسطے کا بیر تھا۔ انھوں نے ان کی زندگی میں عیوب تلاش کرنے شروع کیے، تاکہ ان کی شخصیت کو کسی طرح داغدار کیا جاسکے۔

خاصی تگ ودو کے بعد ان کو ایک بات ہاتھ لگی کہ قاضی ایاس فیصلہ کرنے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک بڑا عیب ہے جو قاضی کی شان کے منافی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا تقاضا ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے خوب غور وفکر کیا جائے اور اس کے بعد فیصلہ سنایا جائے۔ حاسدین نے ان کے بارے میں لوگوں میں یہ شوشہ چھوڑ دیا اور رفتہ رفتہ عوام میں یہ بات مشہور ہوتی گئی کہ قاضی صاحب فیصلہ کرنے میں بڑے جلد باز ہیں۔

ادھر قاضی ایاس بن معاویہ کو بھی حاسدین کی چہ میگوئیوں کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ انھوں نے بھی حاسدین کو سبق سکھانے کا فیصلہ کرلیا۔

قاضی ایاس نے نہایت ادب سے ان لوگوں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ ان کی خوب عزت کی۔ ان کو خوب کھلایا پلایا اور پھر گفتگو شروع کی۔ اس دوران میں اچانک انھوں نے اپنے ہاتھ کو بلند کیا اور کہنے لگے: ساتھیو! ذرا بتانا ان انگلیوں کی

تعداد کتنی ہے؟

حاضرین مجلس نے ایک نظر ان کے ہاتھ پر ڈالی اور یک زبان ہو کر بول پڑے: پانچ ہیں جناب' پوری پانچ۔

قاضی ایاس بن معاویہ نے ان کی طرف تبسم بھری نظروں سے دیکھا اور فرمانے لگے: ساتھیو! تم نے جواب دینے میں اس قدر جلدی کیوں کی، تم ایک دو تین چار پانچ تک گن کر تھوڑی دیر انتظار کرتے، غور وفکر کرتے اور قدرے توقف کے بعد جواب دیتے ؟!

وہ کہنے لگے: قاضی صاحب! اس میں انتظار اور توقف کی کیا ضرورت ہے، جس چیز کی گنتی ہمیں معلوم ہو' بھلا اس میں توقف کیوں کریں؟

اب قاضی ایاس نے نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ ان سے کہنا شروع کیا: جب میرے پاس مقدمات آتے ہیں' میں فریقین کی بات سننے کے بعد فوراً ہی معاملے کی تہ تک پہنچ جاتا ہوں، تو پھر فیصلہ سنانے میں کیوں توقف کروں؟

قاضی ایاس نے اس مثال سے معترضین کو جواب دے دیا۔ اس طرح حاسدین کی چال ناکام ہوگئی اور انھیں معلوم ہوگیا کہ وہ فیصلہ سنانے میں جلد بازی نہیں کرتے؛ بلکہ وہ اپنی خداداد ذہانت اور صلاحیت کی بدولت بات کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور بغیر کسی تاخیر کے مقدمے کا فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔

حاضرین مجلس وہاں سے اس طرح رخصت ہوئے کہ وہ اچھی طرح سے قاضی ایاس کی ذہانت کے قائل ہوگئے اور ان کے خلاف مجالس میں جو گفتگو کیا کرتے تھے' اس سے باز آ گئے۔

قاضی کی ذہانت نے چور گرفتار کرا دیا

ایک تاجر کا مال چوری ہو گیا۔ لوگوں نے شک کی بنیاد پر دو آدمیوں کو پکڑ لیا اور انھیں قاضی کی خدمت میں لے گئے۔ انھوں نے قاضی کو بتایا کہ ہمیں ان دونوں آدمیوں پر شک ہے، البتہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے اصل مجرم کون ہے؟ اب عدالت ہی فیصلہ کرے کہ کون مجرم ہے۔

قاضی نے لوگوں کو حکم دیا کہ آپ لوگ تھوڑا سا انتظار کریں، مجھے پیاس لگ رہی ہے، میں پہلے پانی پی لوں، پھر فیصلہ کروں گا۔ پھر قاضی نے اپنے خادم کو پانی کا پیالہ لانے کا حکم دیا۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی اور ایک نہایت خوبصورت اور نفیس شیشے کے پیالے میں پانی حاضر کر دیا۔ قاضی نے پیالہ اٹھایا اور پانی پینے لگا۔ اچانک قاضی نے شیشے کا پیالہ ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ پیالہ زمین پر گرتے ہی چکنا چور ہو گیا۔ پیالہ ٹوٹنے سے ایک چھنا کا سا ہوا جس سے لوگ گھبرا گئے کہ اچانک یہ کیا ہو گیا؟ ابھی لوگ آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ ہی رہے تھے کہ قاضی نے ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کا گریبان پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا اور باآواز بلند پکارا: تو ہی چور ہے! تو ہی چور ہے۔

ادھر وہ بار بار انکار کر رہا تھا کہ جناب نہیں، میں نے تو چوری نہیں کی ہے۔ مگر قاضی تھا کہ اس کا گریبان پکڑ کر زور زور سے جھنجھوڑ رہا تھا کہ تم نے ہی چوری کی ہے۔

تھوڑی سی تگ و دو کے بعد اس شخص نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا کہ واقعی میں نے ہی چوری کی ہے۔ اب لوگ اور خود وہ چور بھی قاضی سے پوچھنے لگے کہ

آپ نے چور تو پکڑ لیا، لیکن ہمیں بھی بتائیں کہ آپ کو معلوم کیسے ہوا، جبکہ آپ کے پاس کوئی ثبوت تو تھا نہیں؟

قاضی نے کہا کہ اصل میں مجھے پیاس نہیں تھی۔ میں جانتا ہوں کہ چوروں کے دل بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ میں نے پانی کا پیالہ جان بوجھ کر منگوایا۔ میں تم دونوں کے چہروں کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے پیالہ گرایا تو اس کے کرچی کرچی ہونے کی آواز آئی۔ اس آواز سے تیرے ساتھی سمیت سب لوگ پریشان ہوئے اور سناٹے میں آ گئے کہ یہ کیا ہو گیا! مگر تیری حالت اس کے بالکل برعکس تھی، تیرے چہرے پر کسی خوف یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ چور ڈاکو بڑے بڑے حادثات سے نہیں گھبراتے؛ چہ جائیکہ ایک پیالہ ٹوٹنے سے ان پر گھبراہٹ طاری ہو جائے۔ مگر ایک عام شہری ذرا سے واقعے سے خاصا متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ تیرا دوسرا ساتھی پیالہ ٹوٹنے کے چھناکے سے لرز اٹھا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ تو ہی اصل مجرم ہے اور اب سزا تیرے مقدر میں ہے۔

خیانت کی قلعی کھل گئی

ایک آدمی نے حکومت کے بڑے عہدے دار کے پاس ایک تھیلی بطور امانت رکھوائی اور بتایا کہ یہ دیناروں سے بھری ہوئی ہے اور خود ایک طویل مدت تک غائب رہا۔ جب امانت رکھوانے والا شخص طویل عرصہ اس اعلیٰ افسر کے پاس نہ آیا تو اس نے ایک چال چلی۔ وہ یہ کہ اس نے تھیلی کے نچلے حصے سے نہایت احتیاط کے ساتھ ڈوری کاٹ دی اور اس میں سے سارے دینار نکال کر اس کی جگہ درہم رکھ دیے۔ پھر تھیلی کو اسی طرح سی دیا جیسی پہلے تھی۔ صاحب مال پندرہ سال کے بعد اس اعلیٰ افسر کے پاس آیا اور اس نے بطور امانت رکھوائی ہوئی اپنی تھیلی طلب کی۔ افسر نے صاحب مال کو اس کی تھیلی واپس کر دی جو اسی طرح سر بمہر تھی جس طرح کہ اس نے پندرہ سال قبل امانت رکھوائی تھی۔

جب صاحب مال نے تھیلی کھولی تو اس میں دینار کے بجائے درہم تھے۔ وہ یہ دیکھ کر جھنجھلا اٹھا اور بولا: یہ تھیلی میری نہیں ہے۔ میری تھیلی میں دینار تھے جبکہ اس میں درہم ہیں، مجھے اپنی دیناروں والی تھیلی چاہیے۔

عہدے دار نے کہا: بھئی! غور سے دیکھو۔ تھیلی وہی ہے جو تم نے میرے پاس رکھوائی تھی، آج تک یہ سربند ہے۔ یہی تھیلی تمھاری ہے۔ میں نے تمھیں کوئی دھوکا نہیں دیا ہے۔ ادھر وہ شخص اس سے اصرار کرتا رہا کہ مجھے دینار چاہییں، میری تھیلی وہ ہے جس میں دینار تھے۔ جب بات نہیں بنی تو صاحب مال نے اس وقت کے امیر عمر بن ہبیرہ کے پاس مقدمہ دائر کر دیا۔ عمر بن ہبیرہ نے قاضی اِیاس بن معاویہ کے پاس یہ مقدمہ بھیج دیا۔

قاضی اِیاس نے صاحب مال سے پوچھا: نوعیت مقدمہ بیان کرو؟

صاحب مال نے عرض کیا: میں نے اس عہدے دار کے پاس دیناروں کی تھیلی بطور امانت رکھوائی تھی مگر یہ مجھے درہموں کی تھیلی دے رہا ہے۔ قاضی ایاس نے پوچھا: کتنا عرصہ پہلے؟ صاحب مال نے جواب دیا: پندرہ سال قبل۔

اب قاضی ایاس عہدے دار کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟

عہدے دار نے کہا: اس کی تھیلی سر بمہر رکھی ہوئی ہے۔ قاضی ایاس نے پوچھا: کتنے برسوں سے؟ عہدے دار نے بتایا: پندرہ برسوں سے۔

قاضی ایاس نے خادموں کو حکم دیا کہ اس تھیلی کا بندھن کھول کر اس کے دراہم بکھیر دو۔ خادموں نے حکم کی تعمیل کی اور تھیلی کے پورے دراہم بکھیر دیے۔

بکھرے ہوئے دراہم میں کچھ تو دس سال پرانے سکے تھے اور کچھ پانچ سال پرانے، اور کچھ اس کے آگے پیچھے سالوں کے سکے تھے۔ قاضی اِیاس عہدے دار سے مخاطب ہوئے: تم نے اقرار کیا ہے کہ یہ تھیلی تمھارے پاس پندرہ سال سے تھی اور اس تھیلی کے اندر دس پانچ سال پرانے سکے بھی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تھیلی اس پندرہ سالہ مدت میں کبھی کھلی ضرور ہے، اور اس وقت دیناروں کو دراہم سے بدلا گیا ہے۔

قاضی اِیاس کی دلیل نے مجرم کو اقرار جرم پر مجبور کر دیا اور بالآخر عہدے دار نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ یوں وہ مجرم کے زمرے میں شامل ہوا اور اس کی خیانت کی قلعی کھل گئی۔ (1)

---

(1) دیکھیے: تاریخ دمشق الکبیر (۲۲/۱۰)، ابن عساکر، دار إحیاء التراث العربی۔

غلامی کی ٹوٹتی زنجیر!

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت زنباع بن سلامہ جذامی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا جس کا نام "سُندرا" یا "ابن سندر" تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے دیکھا کہ سندرا ان کی ایک لونڈی کو بوسہ دے رہا ہے' چنانچہ انھوں نے (غصے میں آ کر) اپنے اس غلام کا عضو تناسل کاٹ دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس کے کان اور ناک بھی کاٹ دیے۔

غلام شکایت نامہ لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی یہ حالت زار دیکھی تو زنباع رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟»

"تمھیں یہ سزا دینے پر کس بات نے آمادہ کیا؟"

انھوں نے عرض کی: بات یہ ہے کہ اس نے میری ایک لونڈی کے ساتھ یہ حرکت کی ہے!! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تنبیہ فرمائی اور فرمایا:

«لَا تُحَمِّلُوهُمْ مَالَا يُطِيقُونَ وَ أَطْعِمُوهُم مِمَّا تَأْكُلُونَ وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ وَمَا كَرِهْتُمْ فَبِيعُوا وَمَا رَضِيتُمْ فَأَمْسِكُوا وَلَا تُعَذِّبُوا خَلْقَ اللهِ»

"یہ غلام لوگ جس کام کی انجام دہی کی طاقت نہیں رکھتے وہ کام ان کے سپرد نہ کیا کرو۔ جو کچھ تم خود کھاتے ہو وہی ان غلاموں کو بھی کھلایا کرو۔ جو لباس تم خود زیب تن کرتے ہو وہی انھیں بھی پہنایا کرو۔ اگر تم انھیں ناپسند کرتے ہو تو بیچ دو اور

جن غلاموں سے تم خوش ہو انھیں اپنے پاس ہی رہنے دو، مگر اللہ کی مخلوق کو (اس طرح دردناک) سزا نہ دیا کرو"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مُثِّلَ بِهِ أَوْ أُحْرِقَ بِالنَّارِ فَهُوَ حُرٌّ، وَهُوَ مَوْلَى اللهِ وَرَسُولِهِ»

"جس غلام کا مثلہ کر دیا جائے یا اس کو آگ سے جلا کر سزا دی جائے، وہ آزاد ہے اور (جس غلام کو اس قسم کی سزا دی جائے) وہ اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ غلام ہے۔"

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس غلام کو اسی وقت آزاد فرما دیا۔

غلام نے اپنی آزادی کا پروانہ سن کر عرض کی: «يَا رَسُولَ اللهِ! أَوْصِ بِي»

"اے اللہ کے رسول! میرے لیے کسی کو وصیت فرما دیجیے۔"

رسول اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ کن وصیت فرمائی: «أُوصِي بِكَ كُلَّ مُسْلِمٍ»

"میں تیرے لیے ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں (کہ وہ تیرے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے)۔"

چنانچہ اس وصیت کا اثر یہ ہوا کہ خلفائے راشدین اور مسلمانوں نے اپنے نبی کی وصیت کا حق کما حقہ ادا کیا۔ یہ غلام رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے اس کے ساتھ حسب استطاعت بہت اچھا سلوک کیا۔ جب ان کی بھی وفات ہوگئی تو وہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی: «احْفَظْ وَصِيَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ»

"(میرے بارے میں) رسول اکرم ﷺ کی وصیت کا پاس کریں۔"

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہاں ہاں، ضرور ضرور۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«إِنْ رَضِيتَ أَنْ تُقِيمَ عِنْدِي أَجْرَيْتُ عَلَيْكَ مَا كَانَ يَجْرِي عَلَيْكَ

وَإِلاَّ فَانْظُرْ أَيَّ الْمَوَاضِعِ أَكْتُبْ لَكَ»۔

''اگر تم چاہو تو میرے پاس ہی ٹھہر جاؤ۔ تمھارے اوپر جو کچھ اخراجات ہوتے تھے، میں دوں گا یا جس مناسب مقام کی طرف جانا چاہو بتاؤ، میں تمھارے لیے توصیہ لکھ دوں گا (تاکہ وہاں کا گورنر تمھارا خیال رکھے)۔''

سُندرا نے عرض کی: میں مصر جانے کی خواہش رکھتا ہوں، کیونکہ وہ سرسبز و شاداب اور زرخیز زمین ہے۔

امیر المؤمنین نے اس کی خواہش کے مطابق مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہ سُندرا آپ کی خدمت میں آ رہا ہے، اس کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا خاص خیال رکھیں۔

جب سُندرا، مصر میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اسے ہر ممکن سہولیات فراہم کیں۔ ایک وسیع و عریض زمین بھی اسے عطا کی اور اس کی رہائش کے لیے ایک گھر بھی عنایت کیا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو یہ سب کچھ بیت المال میں ضم کر دیا گیا۔ (1)

غرض اس غلام کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے فیصلے یعنی وصیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مسلمانوں نے اس کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور اپنے پیارے نبی کے فیصلے یعنی وصیت کو بسر و چشم قبول کیا۔

---

(1) اس واقعے کو اسد الغابۃ :1759، اقضیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن الطلاع :648/2، مجمع الزوائد: 239/4، الإصابۃ: 2824، ابن ماجہ: کتاب الدیات:2680، ابو داود: 4519، طبرانی: 310/5 وغیرہ کتابوں سے استفادہ کر کے لکھا گیا ہے۔

منصب قضا کا امتحان

عمر بن ہبیرہ[1] نے ایاس بن معاویہ کو بلایا اور پوچھا:

آپ قرآن پڑھتے ہیں؟

ایاس بن معاویہ: ہاں۔

عمر بن ہبیرہ: فرائض کا علم ہے؟

ایاس بن معاویہ: ہاں۔

عمر بن ہبیرہ: عجم کی تاریخ سے دلچسپی ہے؟

ایاس بن معاویہ: پڑھ رکھی ہے۔

عمر بن ہبیرہ: عرب کی تاریخ پڑھی ہے؟

ایاس بن معاویہ: ہاں، پڑھی ہے۔

عمر بن ہبیرہ: میری تمنا ہے کہ آپ کو اپنے ساتھ بحیثیت معاون مقرر کروں؟ (عمر بن ہبیرہ اس وقت امیر تھا)۔

ایاس بن معاویہ: میرے اندر تین خصلتیں ہیں اور ان تینوں کے ہوتے ہوئے میں منصب قضا کے لیے مناسب نہیں ہوسکتا۔

عمر بن ہبیرہ: وہ تین خصلتیں کونسی ہیں؟

ایاس بن معاویہ: پہلی خصلت یہ ہے کہ میں بدصورت ہوں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ دوسری یہ ہے کہ میرے اندر حدّت (تیز مزاجی) ہے اور تیسری یہ ہے کہ میں اس ذمہ داری کے نبھانے سے عاجز ہوں۔

عمر بن ہبیرہ: آپ بدصورت ہیں تو مجھے کوئی لوگوں کے سامنے بازار حسن

نہیں لگانا ہے۔ آپ اپنی عاجزی کی بات کہہ رہے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ آپ تکلف سے کام لے رہے ہیں ورنہ آپ منصب قضا کے لیے بالکل موزوں ہیں اور جہاں تک آپ کی حدّت اور گرم مزاجی کی بات ہے تو کوڑا آپ کو درست کر دے گا۔ جایئے میں نے آپ کو قاضی مقرر کر دیا۔

پھر امیر عمر بن ہبیرہ نے قاضی ایاس بن معاویہ کو سو درہم عطا کیے، یہ ان کی زندگی کی پہلی آمدنی تھی۔ (2)

---

(1) عمر بن ہُبیرہ بنوفزارہ سے تھے۔ خلیفہ یزید بن عبدالملک نے انھیں قسطنطنیہ کی مہم کا امیر بنا کر بھیجا اور 103ھ میں ان کو عراق کا والی بنا دیا مگر خلیفہ ہشام نے انھیں معزول کر دیا۔ عمر بن ہُبیرہ 107ھ میں انتقال کر گئے۔ (سِیَر اعلام النبلاء جلد 4) عمر کی طرح اس کا بیٹا ابوخالد یزید بھی ''ابن ہبیرہ'' کے نام سے معروف ہوا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

(2) تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر (۱۹/۱۰)

مجرم کی گرفتاری کا اچھوتا انداز

ایک آدمی نے سفر کی مہم پر جاتے ہوئے اپنا ایک قیمتی ہار ایک عطر فروش کے پاس گروی رکھا۔ جب سفر سے واپس آیا تو اس نے عطر فروش سے اپنا ہار طلب کیا لیکن اس نے ہار واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

گروی رکھنے والے شخص نے عطر فروش کی شکایت عباسی خلیفہ کے دربار میں کی۔ خلیفہ بڑا ہی ذہین وفطین تھا، اس نے مدعی سے کہا:

''تم ابھی واپس جاؤ اور عطر فروش کی دکان کے سامنے بیٹھ رہو۔ جب تک تم وہاں بیٹھو عطر فروش سے نہ بات کرنا اور نہ اپنے ہار کا تقاضا کرنا اور یہی طرز عمل مستقل تین دنوں تک اختیار کرنا۔ چوتھے روز میں اپنے چند فوجیوں کے ہمراہ ادھر سے گزروں گا اور تمھارے پاس پہنچ کر اپنے گھوڑے سے اتروں گا اور تمھیں پرتپاک سلام کروں گا، مگر تم میری کوئی پروا مت کرنا اور معمول کے مطابق میرے سلام کا جواب دے کر اپنی جگہ بیٹھے رہنا۔ اس وقت جب میں تم سے کوئی سوال کروں تو انتہائی وقار اور ٹھنڈے دماغ سے میرے سوال کا جواب دینا، کچھ زیادہ باتیں مت کرنا اور نہ میری واپسی پر الوداعی تکلف کرنا۔ جب میں واپس چلا جاؤں گا تو وہ عطر فروش خود بخود ہار کی واپسی کی فکر کرنے لگے گا۔''

چنانچہ معمول کے مطابق یہ گروی رکھنے والا شخص چوتھے روز بھی عطر فروش کی دکان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اتنے میں خلیفہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں آ پہنچا۔ خلیفہ نے گھوڑے سے اتر کر بڑے تپاک سے اس کو سلام کیا اور پوچھا: دوست! تم کہاں تھے؟ میں نے کئی دنوں سے تمھیں نہیں دیکھا۔

گروی رکھنے والے شخص نے جواب دیا: عنقریب میں آپ کی زیارت کو آؤں گا، ابھی میں بہت زیادہ مشغول ہوں۔

جب خلیفہ وہاں سے چلا گیا تو عطر فروش نے گروی رکھنے والے شخص کو بلایا اور کہا: بھئی! جس ہار کی تم بات کر رہے تھے اس کی کوئی علامت بتلاؤ، کیونکہ میں ذہن پر زور ڈال رہا ہوں مگر مجھے تمھارے ہار کی بات یاد نہیں آ رہی ہے۔ اس نے علامت بتلائی تو عطر فروش اپنی دکان میں ڈھونڈھنے لگا اور کچھ ہی دیر میں ہار واپس کر دیا۔

وہ آدمی ہار لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اپنے فوجیوں کو بھیج کر عطر فروش کو اپنے دربار میں حاضر کیا اور اس کی خیانت پر اسے سخت سزا دی۔

فیصلہ کس کے خلاف ہے؟

بیان کیا جاتا ہے کہ عدی بن اُرطاۃ [1] قاضی شریح کی عدالتی مجلس میں آیا۔

قاضی شریح نے پوچھا: تم کہاں ہو؟

عدی بن اُرطاۃ: آپ کے اور آپ کی دیوار کے درمیان ہوں۔ آپ میری بات سنیں۔

قاضی شریح: جناب! مقدمہ سننے ہی کے لیے میں بیٹھا ہوں۔

عدی بن اُرطاۃ: میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔

قاضی شریح: «بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ» (اللہ تعالی تم دونوں میاں بیوی میں اتفاق ومحبت پیدا کرے اور صالح اولاد سے نوازے)۔

عدی بن اُرطاۃ: لیکن میرے سسرال والوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ میں اپنی بیوی کو ان کے گھر سے اپنے گھر نہیں لے جاسکتا۔

قاضی شریح: سسرال والوں کی شرط کے مطابق عمل کرو۔

عدی بن اُرطاۃ: مگر میں اپنی بیوی کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔

قاضی شریح: شرط کا حق ہے کہ اس کا پاس ولحاظ رکھا جائے۔

عدی بن اُرطاۃ: مگر میں اسے گھر لے جانا چاہتا ہوں۔

قاضی شریح: اللہ کے حفظ وامان میں جاؤ۔

عدی بن اُرطاۃ: آپ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیں۔

قاضی شریح: میں نے فیصلہ کر دیا ہے۔

عدی بن اُرطاۃ: فیصلہ کس کے خلاف ہے؟

قاضی شریح: تیری ماں کے بیٹے کے خلاف!!
عدی بن اَرطاۃ: کس کی گواہی کی بنیاد پر؟
قاضی شریح: تیری خالہ کی بہن کے بیٹے کی گواہی کی بنیاد پر۔
(محترم قارئین! اگر اس واقعے کی سمجھ نہ آئے تو دوبارہ، سہ بارہ پڑھیں' آپ کو مزہ آئے گا)

---

(1) عدی بن ارطاۃ فزاری دمشقی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد میں بصرہ کے امیر تھے۔ ان کے بعد عدی کی امارت ختم ہوگئی تو اس نے بغاوت کی روش اپنائی، چنانچہ مسلمہ بن عبدالملک کے ساتھ جنگ میں عدی اور اس کا بیٹا معاویہ مارے گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ج 5 ص 53)

جریر کا تقاضا برحق ہے

حضرت جریر رضی اللہ عنہ (1) کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جن دنوں مجاہدین اسلام، سرزمین عراق اور دیگر عجمی ممالک میں دشمنان اسلام سے برسرپیکار تھے، امیر المؤمنین نے مجھ سے فرمایا: اے جریر! اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ محاذ پر پہنچو، اگر تم اپنی قوم کے ساتھ دشمنوں پر غالب آجاؤ گے تو مال غنیمت میں سے چوتھائی حصہ تمھیں ملے گا۔

امیر المؤمنین کا حکم ملتے ہی حضرت جریر محاذ پر پہنچے جہاں کفر و اسلام کے درمیان گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی ۔ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا اور دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ مجاہدین کو غنیمت کے طور پر بہت سارا مال میسّر آیا۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے ۔ حضرت جریر نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے چوتھائی مال غنیمت کا تقاضا کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو حضرت جریر کی فرمائش کی تفصیل لکھ بھیجی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جواب میں لکھا:

«صَدَقَ جَرِيرٌ ، قَدْ قُلْتُ ذٰلِكَ لَهُ ، فَإِنْ شَاءَ أَنْ يَكُونَ قَاتَلَ هُوَ وَقَوْمُهُ عَلَى جُعْلٍ فَأَعْطُوهُ جُعْلَهُ ، وَإِنْ يَكُنْ إِنَّمَا قَاتَلَ لِلّٰهِ وَلِدِينِهِ وَلِحَبِيبِهِ فَهُوَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، لَهُ مَا لَهُمْ وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْهِمْ»

''جریر کا تقاضا برحق ہے، واقعی میں نے اس سے چوتھائی مال کا وعدہ کیا تھا۔ اگر اس نے اور اس کی قوم کے لوگوں نے مزدوری کی خاطر جنگ لڑی ہے تو پھر اس

کی چاہت کے مطابق اس کو مزدوری دے دیں، اور اگر اس نے یہ جنگ اللہ، اس کے دین اور اس کے رسول کی خاطر لڑی ہے تو پھر وہ مسلمانوں کا ایک فرد ہے، وہی حق اسے ملے گا جو مسلمانوں کو ملے گا اور وہی حکم اس پر جاری ہوگا جس کے مکلّف دیگر مسلمان ہوں گے۔''

جب امیر المؤمنین کا جواب نامہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے امیر المؤمنین کے خط سے حضرت جریر کو آگاہ کیا۔ حضرت جریر گویا ہوئے:

«صَدَقَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لاَ حَاجَةَ لِي بِهِ بَلْ أَنَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''امیر المؤمنین نے سچ فرمایا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں مسلمانوں ہی میں سے ایک فرد ہوں۔''(2)

---

(1) حضرت جریر بن عبداللہ بن جابر البَجَلی رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو بَجِیلَہ سے تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے ایمان لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ذی خلصہ کا بُت گرانے کا حکم دیا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ جریر اپنے قبیلے کے ڈیڑھ سو افراد لے کر گئے اور اس بُت کو جلا دیا۔ وہ 51ھ یا 54ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حُسنِ صورت کی بنا پر اُنھیں ''اس اُمّت کے یوسف'' قرار دیا۔
(اسد الغابہ۔ ج1 ص529)

(2) [اخبار الأذکیاء، ابن جوزی ص ۵۳]

مظلوم کے دل کا ہر نالہ تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے

جب خلیفہ معتصم باللہ(1) کا مرض شدت اختیار کر گیا تو احمد بن ابی دُوَاد قاضی(2) نے اس کی زیارت کی۔ احمد قاضی معتصم کے پاس بیٹھے تو دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں موت گردش کر رہی ہے اور وہ اب چند ہی لمحوں کا مہمان ہے۔ اتنے میں خلیفہ نے ان سے شدید تکلیف کی شکایت کی۔

احمد نے کہا: اے امیر المؤمنین! قید خانوں میں ہزاروں بے قصور لوگ پڑے ہوئے ہیں جو خود اور ان کے گھر والے آپ کو بددعائیں دے رہے ہیں' اور مظلوم کی بددعا تو اپنی تاثیر لائے بغیر رہتی نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ان مظلوموں کو آزاد کر دیتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی زبانیں بددعا کی بجائے آپ کے حق میں دعا میں رطب اللسان ہو جاتیں۔

یہ تقریر سن کر خلیفہ نے تمام قیدیوں کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

احمد قاضی نے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ قیدی اپنے گھروں کو خالی ہاتھ روانہ ہو رہے ہیں' کچھ بھی مال ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اچھا ہوتا کہ آپ ان کے اموال واپس کر دینے کا بھی حکم فرما دیتے اور کچھ عطیات بھی عنایت فرماتے۔

خلیفہ پر احمد قاضی کی بات کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے فوری قیدیوں کے اموال واپس کرنے اور انھیں عطیات سے نوازنے کا حکم صادر کر دیا۔(3)

---

(1) ابو اسحٰق معتصم باللہ بن ہارون رشید (218ھ تا 227ھ) آٹھواں عباسی خلیفہ تھا جو مامون رشید کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے بغداد سے 90 میل شمال میں دجلہ کے کنارے نیا دارالحکومت (سُرَّ مَن رَأٰ) تعمیر کرایا جو کثرت استعمال سے سامرّاء مشہور ہوا۔ 223ھ میں رومیوں نے زبطرہ وملطیہ (اناطولیہ) میں غارتگری کی اور ایک مظلوم مسلمان عورت نے وامعتصماہ (اے معتصم) کی دہائی دی تو معتصم نے

لشکر کشی کر کے رومیوں کو عبرتناک شکست دی' قیصر روم نوفل کی جائے پیدائش عموریہ کو 55 روزہ محاصرے کے بعد فتح کر لیا اور اسے مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی جلد اول)

(2) قاضی احمد بن ابی دُوَاد جہمی معتزلی بصرہ میں 160ھ میں پیدا ہوا۔ وہ بڑا سخی اور فصیح و بلیغ شاعر تھا۔ خلق القرآن کے مسئلے پر قاضی احمد نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو قتل کر دیا جائے۔ امام احمد کو کوڑوں سے بری طرح پیٹا گیا مگر وہ ثابت قدم رہے۔ قاضی احمد کو معتصم، واثق اور متوکل کے عہد میں بڑا اثر و رسوخ حاصل رہا۔ 237ھ میں خلیفہ متوکل نے قاضی احمد کو معزول کر کے قید کر دیا اور اس کا مال و اسباب اور جاگیر ضبط کرنے کا حکم دیا۔ قاضی احمد ان دنوں فالج میں مبتلا تھا۔ اس نے 240ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج 11 ص 169-171۔ تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

(3) (باقات الورود النضرۃ)

خون کا بدلہ خون

عاصم احول، حسن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی کو پکڑ کر لایا جس نے اس کے قریبی رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مقدمہ سننے کے بعد فرمایا:

«أَتَأْخُذُ الدِّيَةَ؟»

''کیا تو دیت لے گا؟''

اس شخص نے کہا: میں دیت لے کر معاف نہیں کر سکتا بلکہ مجھے خون کا بدلہ خون چاہیے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو قاتل کو معاف کر سکتا ہے؟''

اس نے کہا: نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اذْهَبْ فَاقْتُلْهُ»

''اسے لے جاؤ اور قتل کر دو۔''

جب وہ شخص قاتل کو لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس سے نکل گیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنْ قَتَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ»

''اگر اس نے قاتل کو قتل کر دیا تو یہ بھی اسی کے مانند ہوگا۔''

یہ سن کر ایک آدمی اس شخص سے جا ملا جو قاتل سے قصاص چاہتا تھا، اور اسے بتایا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ بات کہی ہے، یعنی اگر تم اس قاتل کو قتل کر دو گے تو اسی کے مانند ہو جاؤ گے۔

یہ سننا تھا کہ اس شخص نے قاتل سے قصاص لیے بغیر اسے چھوڑ دیا اور واپس اپنے گھر چلا گیا، حالانکہ اس وقت وہ ایک مضبوط تسمہ قاتل کی گردن میں ڈال کر کھینچ رہا تھا۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں:

''رسول اکرم نے جو یہ فرمایا کہ ''اگر یہ قتل کر دے گا تو اسی کے مانند ہوگا'' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر اس نے قاتل کو قتل کر دیا تو گناہ میں اس کے مانند ہو گا۔ یہ مطلب کیوں کر ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالی نے قاتل کو بطور قصاص قتل کر دینے کو مباح ٹھہرایا ہے؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے قصاص لینے کو ناپسند فرمایا اور آپ کی خواہش تھی کہ وہ قاتل کو معاف کر دے۔ آپ نے تعریض کے طور پر یہ الفاظ کہے جس سے قصاص لینے والے شخص کو گمان ہوا کہ اگر میں نے قاتل کو قتل کر دیا تو پھر میں بھی اسی کی طرح گناہ گار ہو جاؤں گا، اس لیے معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اگر یہ قاتل آدمی کو قتل کر دے گا تو یہ بھی قاتل ہی کی طرح ہو گا، کیونکہ قاتل نے بھی پہلے ایک آدمی کا خون بہایا ہے اور یہ شخص بھی ایک آدمی کا خون بہائے گا۔ اس طرح یہ دونوں ہی قتل میں مساوی ہوئے؛ البتہ پہلا قاتل ظالم ہے جس نے ناحق خون بہایا ہے اور یہ دوسرا قاتل حق بجانب ہے جس نے بطور قصاص خون بہایا ہے''۔

رسول اکرم ﷺ نے اس طرح کئی مقامات پر تعریضی الفاظ استعمال کیے ہیں۔

حاکم وقت کی گواہی مسترد

قسطنطنیہ مسلمانوں کی سلطنت عثمانیہ کا دارالحکومت' آج کا استنبول' ہے جہاں عدالت لگی ہوئی ہے۔ قاضی شمس الدین محمد حمزہ عدالت کی کرسی پر براجمان ہیں۔ مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی نے گواہان کی فہرست دیکھی ،اس کے اندر حاکم وقت سلطان بایزید[1] کا نام بھی شامل ہے۔ سامنے دیکھا تو وہ گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا ہے۔

اچانک قاضی نے فیصلہ سنایا' سلطان بایزید کی گواہی کو مسترد کیا جاتا ہے کیونکہ گواہ قابل اعتبار نہیں۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ حاکم وقت کی گواہی ناقابل قبول !! لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔

سلطان بایزید نے آگے بڑھ کر قاضی کو مخاطب کیا:

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ مجھے گواہی کے قابل کیوں نہیں سمجھا گیا ہے؟

قاضی نے حاکم کی حیثیت اور ہیبت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا:

''گواہ باجماعت نماز ادا نہیں کرتا،اس لیے اس کی گواہی ناقابل قبول ہے۔''

قاضی نے حاکم وقت کی گواہی کو مسترد کر کے اسلام کے عدالتی نظام کے وقار کو مزید جلا بخشی اور ثابت کر دیا کہ کرسئ عدالت پر بیٹھ کر چھوٹے اور بڑے میں تمیز نہیں کی جاتی۔

حاکم نے فیصلہ سنا اور اس کے سامنے گردن جھکا دی۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔ حکم دیا کہ فی الفور میرے محل کے سامنے ایک خوبصورت سی مسجد بنائی جائے۔

اس مسجد کی اگلی صف میں اپنے لیے جگہ مخصوص کی اور اس کے بعد نماز باجماعت سے غفلت کا کبھی مرتکب نہیں ہوا۔

---

(1) سلطان بایزید اول (1389ء۔1402ء) عثمانی سلطنت کا چوتھا حکمران تھا۔ اس کے عہد میں قسطنطنیہ کا پہلا ترکی محاصرہ (1391ء-1398ء) عمل میں آیا۔ بایزید یلدرم (بجلی) کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے نکوپولس کی جنگ (1396ء) میں یورپ کے متحدہ لشکر کو شکست دی۔ اگلے سال ترکوں نے یونان میں پیش قدمی کی۔ 1400ء میں امیر تیمور نے اناطولیہ پر حملہ کر دیا۔ جنگ، انگورہ (20 جولائی 1402ء) میں بایزید کو شکست ہوئی اور تیمور نے اسے گرفتار کر لیا۔ قید ہی میں بایزید نے وفات پائی۔

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد ج1 ص61-62)

پہلی چوری

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ [1] کے پاس ایک چور لایا گیا۔ جرم ثابت ہونے پر آپ نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب تھے، چور نے ان کی طرف دیکھا، عرض کی: خلیفۂ رسول اللہ! میرے اوپر رحم کیجیے، درگزر فرمایئے، میں نے اس سے پہلے کبھی چوری نہیں کی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«كَذَبْتَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا غَافَصَ اللهُ مُؤْمِنًا بِأَوَّلِ ذَنْبٍ يَعْمَلُهُ»

"تو جھوٹ بولتا ہے کہ میری پہلی چوری ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ اپنے بندے کے پہلے جرم اور گناہ پر اس کو کبھی سزا نہیں دیتا۔"

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ اس نے کہا:

«وَاللهِ! مَا سَرَقْتُ قَبْلَهَا»

"اللہ کی قسم! اس سے پہلے میں نے کبھی چوری نہیں کی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«كَذَبْتَ وَرَبِّ عُمَرَ! مَا أَخَذَ اللهُ عَبْدًا عِنْدَ أَوَّلِ ذَنْبٍ»

"تو جھوٹا ہے، عمر کے رب کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے پہلے گناہ کی بدولت اسے کبھی نہیں پکڑتا۔"

اس مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

بہت زیادہ حلیم و بردبار ہے اور وہ اپنے بندے کو پہلے گناہ کی بدولت نہیں پکڑتا کیونکہ وہ تو رحیم اور کریم ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

ہاتھ کٹنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس چور کے پاس گئے اور اس سے کہا:

«أَنْشُدُكَ اللهَ ، كَمْ سَرَقْتَ مِنْ مَرَّةٍ»

''تمھیں اللہ کی قسم دے کر میں پوچھتا ہوں کتنی مرتبہ چوری کے مرتکب ہوئے ہو؟''

اس نے کہا: اکیس مرتبہ۔

---

(1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریشی قبیلہ بنوتیم سے تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتویں پشت میں مُرّہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ ان کا اصل نام عبدالکعبہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عبداللہ'' نام رکھا۔ معراج نبوی کی تصدیق کرنے پر ان کا لقب ''صدیق'' پڑا۔ آزاد مردوں میں انھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ اصحاب نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور صاحبِ غار کہلائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین وانصار نے ان کی خلافت پر بیعت کی۔ انھوں نے جزیرہ نمائے عرب سے فتنۂ ارتداد کا استیصال کیا۔ ان کے عہد میں ایرانیوں اور رومیوں کے مقابلے میں فتوحات حاصل ہوئیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سوا دو سال کی خلافت کے بعد 23 جمادی الآخرہ 13ھ کو فوت ہوئے۔ (اٹلس سیرت نبوی ص 357-358)

جب سعودی شہزادے کو نئی زندگی ملی

یکم مئی 2004ء بروز ہفتہ سعودی عرب کے دارالحکومت میں ایک انوکھا، مگر دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اس ملک میں ابھی تک الحمدللہ حدود اسلامی کا نظام نافذ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں اور حاسدین کے حسد کے باوجود ابھی تک سعودی عرب میں خیر وبرکات غالب ہیں۔

یہ 18 ستمبر 2002ء کی بات ہے جب سترہ سالہ شہزادہ فہد بن نایف بن سعود بن عبد العزیز نے اپنے ایک دوست پندرہ سالہ منذر بن سلیمان القاضی کو اپنے بھائی پندرہ سالہ شہزادہ سلطان بن نایف سے لڑتے ہوئے دیکھا۔ غصے میں وہ کلاشنکوف اٹھا لایا اور منذر پر فائرنگ کر دی۔ منذر کو تین گولیاں لگیں اور وہ وہیں جاں بحق ہو گیا۔ شہزادے کو فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا اور اسے عام قیدی کی طرح جیل میں ڈال دیا گیا۔ مقدمہ کم وبیش انیس ماہ تک چلتا رہا۔ قاتل نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا۔ سعودی وزارت عدل کے قانون کے مطابق ہر قتل کے کیس کو تیرہ قاضی دیکھتے ہیں' چنانچہ اس مقدمے کا فیصلہ بھی 14 جولائی 2003ء کو صادر کر دیا گیا کہ اگر مقتول کے ورثا قاتل کو معاف نہیں کرتے تو اس کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔ ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔ تمھارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے، اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا۔'' [البقرة :۱۷۸]

زمانۂ جاہلیت میں قصاص کا کوئی مستحکم دستور اور قانون نہ تھا' اس لیے زور آور لوگ کمزوروں پر جس طرح چاہتے ظلم کرتے۔ ظلم کی ایک شکل یہ تھی کہ ایک آدمی کے قتل کے عوض بسا اوقات قاتل کے پورے قبیلے ہی کو تہس نہس کر دینے کی کوشش کی جاتی اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کر ڈالتے۔ بعض لوگ طاقت و دولت کے بل بوتے پر مقتول کے کمزور وارثوں کا مقدمہ دبا کر رکھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس سارے فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے یہ قانون جاری کر دیا کہ جو قاتل ہوگا، قصاص میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدلے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدلے میں وہی غلام اور عورت ہے تو بدلے میں وہی عورت قتل کی جائے گی نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد یا ایک آدمی کے بدلے میں متعدد آدمی۔

چنانچہ سعودی عرب میں نافذ شرعی قوانین پر عمل کرتے ہوئے انصاف پرور ججوں نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ اگر مقتول کے ورثا قاتل کا خون بہا لے کر یا اللہ کے لیے معاف کر دیں تو ٹھیک ورنہ قاتل بہر حال شرعی حدود کے مطابق گردن زدنی ہے۔ اس مقدمے میں شاہی خاندان کے کسی فرد نے عدالت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی اور نہ ہی جج صاحبان نے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑا جیسے کہ دنیا

کے دیگر ممالک میں ہم دیکھتے ہیں، بلکہ انتہائی غیر جانبداری کے ساتھ قصاص کا حکم جاری کر دیا گیا کیونکہ ان اسلامی ججوں کو خوب معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص ہی میں اصل زندگی رکھی ہے اور اس کے نفاذ ہی سے ملک میں امن اور آشتی کے سائے تلے انسان راحت کے سانس لے سکتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد بالکل برحق ہے:

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾

''عقلمندو! قصاص ہی میں تمھارے لیے زندگی ہے، تاکہ تم (قتل و غارت سے) بچو۔'' [البقرة:١٧٩]

چونکہ اس واقعے میں مجرم شاہی خاندان کا فرد تھا اور شاہ فہد کے بھائی کا پوتا تھا، اس لیے اس مقدمے نے اور زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ واضح رہے کہ اس شہزادے کے دادا شاہ سعود بن عبد العزیز سعودی عرب کے دوسرے حکمران تھے۔ مقتول منذر بن سلیمان قاضی بھی ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا نسب نامہ بنو تمیم سے جا ملتا ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف فرمائی تھی۔ محمد بن عبدالوہاب بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مقدمے کے دوران میں بہت سے بااثر لوگوں نے کوشش کی کہ مقتول کے ورثا خون بہا لے لیں اور شہزادے کو معاف کر دیں مگر مقتول کے والد سلیمان نے ہر قسم کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ ہر چند کہ معاملہ ایک سعودی شہزادے کا تھا مگر اس دوران میں مقتول کے خاندان پر قطعی طور پر دباؤ نہیں ڈالا گیا اور نہ ہی قاضیوں پر کسی قسم کا دباؤ تھا' چنانچہ عدالت نے آزادانہ کارروائی کی اور سپریم کورٹ نے بھی یکم دسمبر 2003ء کو اپیل کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی۔

مقدمے کے دوران میں شہزادے کو ریاض کے اصلاحی مرکز میں رکھا گیا تھا اور بعد ازاں اسے ریاض کی سنٹرل جیل بھیج دیا گیا۔ اس دوران میں اس کے ساتھ کوئی

امتیازی سلوک نہیں کیا گیا۔ صرف ایک مرتبہ اس کی اپنے والد نایف بن سعود کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ یاد رہے قاتل مرحوم شاہ سعود کا پوتا تھا۔

سپریم کورٹ نے اپنے حکم نامے میں لکھا کہ قاتل کو یکم مئی 2004ء کی صبح قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ یکم مئی' ہفتے کا دن' ریاض کے شہزادے کے لیے انتہائی حیرانی کا دن تھا۔ صبح سویرے بے شمار لوگ قصرالحکم کے پہلو میں میدانِ قصاص میں جمع تھے۔ ان میں شہزادے بھی تھے اور مختلف بڑے بڑے قبائل کے رؤسا بھی۔ شہزادے کو بھی پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ ہفتے کے دن اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

اس کے پیروں میں بیڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ صبح آٹھ بجے اس کو پولیس کی گاڑی سے نیچے اتارا گیا۔ اس نے قیدیوں کا مخصوص لباس پہنا ہوا تھا۔ صبح سویرے گورنر ریاض امیر سلمان بن عبدالعزیز نے اپنے دفتر میں مقتول کے والد اور اس کے رشتہ داروں سے ملاقات کی اور بتایا کہ آج قاتل سے قصاص لیا جا رہا ہے۔ نیز گورنر نے کہا کہ میں آپ لوگوں کے مقدمے میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا اور نہ شاہی خاندان نے اس مقدمے کے دوران میں عدالت پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی ہے۔ ہاں، البتہ میں آپ کو اسلام میں معاف کرنے کی اہمیت سے ضرور آگاہ کروں گا۔ اگر آپ معاف کر دیں تو یہ آپ کے اعلیٰ کردار کی دلیل ہوگی، اور اگر آپ قصاص لیتے ہیں تو یہ آپ کا حق ہے۔ امیر سلمان کے دفتر اور میدانِ قصاص کے درمیان کوئی زیادہ دور کا فاصلہ نہیں ہے۔ ادھر ایک دن پہلے شہزادے کی والدہ سارا دن مقتول کے گھر کے باہر بیٹھی رہی۔ اس نے مقدمے کے دوران میں چھ مرتبہ منذر کی والدہ سے رابطہ کیا اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ اپنے

بیٹے کے قاتل کو رضائے الٰہی کے لیے معاف کر دے۔ مگر منذر کی والدہ اپنے بیٹے کے قاتل کو معاف کرنے کے لیے ہر گز تیار نہیں تھی۔

منذر (مقتول) کے والدین جمعہ کے روز سارا دن گھر پر نہیں تھے۔ سلیمان بن عبدالرحمٰن قاضی جن کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہے اور شاہ سعود یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں، جاپانی پٹرول کمپنی میں ملازمت کرتے تھے اور اب ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام تمیم ہے جس کے نام پر ان کی کنیت ہے۔ انھوں نے بڑی تفصیل سے اخبارات کو انٹرویو دیا جو سعودی اخبارات میں شائع ہوا۔

یہ کوئی ڈرامہ یا فلم کا حصہ نہیں تھا، جب صبح دس بجے کے قریب صلح اور معافی کی تمام تر امیدیں ختم ہو گئیں تو شہزادے کو پا بجولاں آہستہ آہستہ مقتل کی طرف لایا گیا۔ سکیورٹی کے افراد نے اس کا بازو تھاما ہوا تھا۔

صبح کے دس بج رہے ہیں۔ عدالت کے اہلکاروں نے مقتول کے والد سلیمان سے پوچھا: کیا آپ قاتل کو پہچان رہے ہیں؟ اس نے ، اس کے چچا زاد بھائیوں نے اور قبیلے کے افراد نے گواہی دی کہ یہی شہزادہ قاتل ہے۔ ادھر جلاد نے تلوار میان سے نکال لی ہے کہ شہزادے نے پکارا: اے ابوتمیم! اللہ کی رضا کی خاطر مجھے معاف کر دیں۔

اخباری نمائندوں کو سلیمان نے بتایا کہ میں نے گزشتہ تمام وقت صرف اور صرف قصاص ہی پر زور دیا تھا۔ میرے چچا زاد بھائی عبدالرحمٰن نے مجھے ایک بار پھر کہا کہ پانچ منٹ تک غور کر لو۔ میں سوچتا رہا۔ پانچ منٹ کے بعد پولیس کے چیف نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ قصاص لیا جائے'

چنانچہ اس نے جلاد کو اشارہ کر دیا۔ اس دوران میں قبیلے کے بعض افراد نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ایک بار پھر استخارہ کرلوں، اور اپنے رب سے بھی مشورہ طلب کرلوں۔ میں اس سے پہلے دومرتبہ استخارہ کر چکا تھا، اور میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ مجھے ہر حالت میں قصاص چاہیے۔ آخری لمحات میں پھر میں نے استخارے کا فیصلہ کرلیا۔ مشہد (قتل گاہ) سے چند میٹر دور میں نے اپنا رخ قبلے کی طرف کرلیا۔ میرے نیچے کوئی مصلّٰی نہ تھا۔ ایک عزیز نے اپنا رومال سجدہ گاہ میں بچھا دیا کہ میں سورج کی تمازت سے بچ سکوں۔ آدھ گھنٹہ میں نماز ادا کرتا رہا اور مسلسل اپنے رب سے مشورہ کرتا رہا۔ (ادھر لوگ دم سادھے سلیمان القاضی کی طرف دیکھ رہے تھے۔) نماز کے بعد میں نے اپنے بیٹے تمیم سے کہا کہ موبائل پر اپنی والدہ سے بات کراؤ۔ میں نے اس سے پوچھا: تمھارا کیا فیصلہ ہے؟ اس نے کہا: تم جو بھی فیصلہ کرو گے مجھے منظور ہے۔ پھر میں نے اپنے بیٹے تمیم اور بھائی عبدالرحمٰن کو بلوایا اور ان کو بتایا کہ نماز استخارہ کے بعد میرا ذہن معاف کرنے پر آمادہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ آخری فیصلہ تو تمھارا ہے مگر اللہ کے لیے معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ ہمیں اس کے بدلے میں قیامت کو معاف کر دے۔ اب چند لمحات کی بات تھی ......شہزادہ سر جھکائے ہوئے تھا...... جلاد تلوار سونتے اشارے کا منتظر تھا کہ اچانک سلیمان القاضی نے پکارا: جاؤ میں نے اللہ کی رضا کے لیے تمھیں معاف کر دیا۔ مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا اور نہ مجھے کوئی مالی لالچ ہے۔ ہاں، تمھیں قرآن حفظ کرنا چاہیے، بقیہ زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزارنی چاہیے۔

سلیمان القاضی نے جیسے ہی معاف کرنے کا اعلان کیا، لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور پھر میدان اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ لا إله إلا الله کتنی ہی

زبانوں پر تھا۔ حقیقی بلندی' اللہ کی ہے جس کے قانون پر عمل کرتے ہوئے قصاص لینے کا فیصلہ کیا گیا اور پھر اسی کی رضا کے لیے معافی کا اعلان ہوا اور شہزادہ فہد کو نئی زندگی ملی۔ بے شمار لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر سلیمان القاضی آگے بڑھا اور شہزادے کو گلے لگا لیا۔ شہزادہ فہد نے سلیمان القاضی کے سر کے بوسے لیے' اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور اس کا بار بار شکریہ ادا کیا کہ اس کے معاف کرنے کی بدولت اس نئی زندگی ملی ہے۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اپنی نئی زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارے گا اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے گا۔

ادھر شہزادے کی والدہ معافی نامہ سے مایوس ہو کر سخت بے چینی و اضطراب کی کیفیت میں مبتلا تھی جو اس موقع پر کسی ماں کی ہو سکتی ہے۔ اسے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ معافی نامہ کے فوراً بعد شہزادہ فہد بیڑیاں پہنے ہی سکیورٹی کے عملے کے ہمراہ ہسپتال پہنچ گیا۔ چونکہ معافی ملنے کے بعد ابھی عدالتی کارروائی مکمل نہیں ہوئی تھی، اس لیے شہزادے کو بیڑیوں سمیت ہی اس کی ماں کے پاس ہسپتال لے جایا گیا۔ اس کی والدہ نے اسے دیکھ کر سخت حیرت کا اظہار کیا اور پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے؟ جب انھیں بتایا گیا کہ مقتول کے ورثا نے قصاص معاف کر دیا ہے تو وہ بے اختیار اپنے بیٹے سے چمٹ گئیں۔ وہ بار بار اللہ تعالیٰ کا اور پھر قاضی فیملی کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ قانون کے مطابق شہزادے کو دوبارہ عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ جہاں مقتول کے ورثا نے عدالت میں حلفیہ بیان دیا کہ انھوں نے بغیر کسی جبر و اکراہ کے قاتل کو معاف کیا ہے۔ اخبارات کے مطابق سلیمان القاضی نے دیت کی ایک خطیر رقم کو ٹھکرا دیا تھا۔ شاہی فیملی نے 70 ملین ریال تک دیت کی پیش کش کی تھی۔ بعض اخبارات کے مطابق یہ رقم 20 ملین تھی۔ بہر حال رقم بیس ملین ہو یا ستر ملین، بلا شبہ انتہائی زیادہ رقم تھی جسے مقتول کے والد نے یہ کہہ کر مسترد

کر دیا کہ میں اپنے بیٹے کے خون کا سودا نہیں کر سکتا۔

اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے شہزادہ فہد کے والد نایف بن سعود نے بتایا کہ جس دن عدالتی حکم کا نفاذ ہونا تھا، اس روز صبح سویرے ایک عدالتی اہلکار نے فون پر بتایا کہ وہ عدالت پہنچ جائیں کیونکہ آج فیصلہ نافذ کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ گھر کے تمام افراد سخت پریشان اور بے چین ہو گئے۔ شہزادے کی والدہ تو شدت غم سے بیہوش ہو گئیں، جنھیں فوراً ہسپتال داخل کر دیا گیا اور میں ریاض کے گورنر ہاؤس پہنچ گیا جہاں عملے کے ارکان نے مجھے صبر کی تلقین شروع کی۔ بحیثیت والد اس موقع پر میری قلبی کیفیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اب کوئی معجزہ ہی میرے بیٹے کو بچا سکتا تھا اور بلاشبہ سلیمان القاضی نے عفوودرگزر کا مظاہرہ کر کے ایثار کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ ادھر شہزادہ فہد نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مقتول منذر کے ایصال ثواب کے لیے ایک مسجد بنائے گا تاکہ رہتی دنیا تک اس کا ثواب مرحوم کو ملتا رہے۔ وہ بار بار جذباتی انداز میں اپنے سابقہ اقدام پر شدید ندامت کا اظہار کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ اس کی آئندہ زندگی ایک مثالی مسلمان کی زندگی ہو گی۔ سلیمان القاضی نے معافی کے بعد دوبارہ ریاض کے گورنر امیر سلمان بن عبدالعزیز سے ملاقات کی جنھوں نے اس کے جذبۂ انسانی کی تحسین کی۔

دریں اثنا بہت سے افراد اور شہزادوں نے اس عظیم کار خیر پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، نیز انھوں نے سعودی عرب میں اسلامی حدود کی تطبیق پر تحسین کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج کے واقعے نے ثابت کر دیا ہے کہ اس ملک میں انصاف سب کے لیے ہے۔ شہزادہ عبدالرحمٰن بن سعود بن عبدالعزیز نے کہا کہ مملکت کی بنیاد شریعت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ آج حق اور انصاف کا بول بالا ہوا

ہے، اور حقدار کو حق مل گیا ہے۔ یقیناً اللہ کے شکر کے بعد سلیمان القاضی اور ان کی فیملی شکریے کے حقدار ہیں جنھوں نے آخری لمحات میں معافی کا اعلان کر کے ایک شہزادے کی جان بچالی۔ انھوں نے کہا کہ ریاض کے گورنر امیر سلمان بن عبدالعزیز بھی شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے شرعی قوانین کو سب کے لیے یکساں رائج کیا اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بنے اور نہ کوئی دباؤ ڈالا۔

غرض دیگر بہت سے امرا، و رؤسا نے اس عظیم اقدام پر مقتول منذر القاضی کے والد سلیمان القاضی کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کیا۔ شریعت اسلامیہ کے زریں اصول اور آسمانی قوانین کے روشن پہلو اسلامی اقدار و روایات کو فرسودہ قرار دینے والے معترضین پر بجلی بن کر گرے۔ ہمیں یہاں اسلامی اصول واقدار اور انسانیت کی فلاح وبہود کے لیے منزل من اللہ قوانین کی آفاقیت وحقانیت کو ثابت کرنے کی قطعًا ضرورت نہیں، کیونکہ مؤرخین اسلام کے علاوہ دنیا کے سارے ہی انصاف پسند مؤرخین نے قوانین الٰہیہ کو عین فطرت بتایا ہے جو اس سرزمین پر امن وآشتی، محبت والفت، عدل وانصاف اور مساوات کے ضامن ہیں۔

کیا کسی آنکھ نے ظلم وبہیمیت کے اس تاریک دور میں کبھی یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ ایک شہزادہ اپنے جرم کی پاداش میں مقتل میں مقتول کے ورثا سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو اور اس کے سر پر جلاد کی تیز اور چمکدار تلوار لہرا رہی ہو؟ کیا کسی آنکھ نے خونخواری کے اس دور میں کبھی یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ حکمران خاندان کا ایک نوجوان شہزادہ عدل وانصاف کے اسٹیج پر گردن ماری جانے کے انتظار میں زندگی کے آخری سانس لے رہا ہو اور شاہی خاندان کے افراد ٹکٹکی لگائے بے حس وحرکت یہ منظر دیکھتے رہیں، مگر سفارش کے لیے ایک قدم بھی آگے بڑھانے کی

ہر گز جرأت نہ کریں؟

نہیں اور ہر گز نہیں!! دنیا کی تاریخ میں دور دور تک ہمیں اس طرح کی مثال نظر نہیں آتی ۔ہاں، اگر اس قسم کی مثال نظر آتی ہے تو وہ اسلامی تاریخ کے سنہرے اوراق میں!! ایک طرف حکمران ہے، خلیفہ ہے اور لوگوں نے میٹنگ کر کے اسے اپنا امیر قرار دیا ہے اور لوگ اس کو خوشی خوشی امیر المؤمنین کہتے ہیں۔ اس حکمران کے مقابلے میں دوسری طرف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، اور اب مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہے ۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قاضی ہوتے ہیں۔ مقدمہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی جانب سے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف عدالت میں دائر کیا گیا ہے۔ مدعی اور مدّعا علیہ دونوں قاضی کے سامنے حاضر ہوتے ہیں۔ قاضی امیر المؤمنین کی شان کے مطابق احترام میں کھڑا ہوتا ہے اور مدعی سے مطالبہ کرتا ہے کہ امیر المؤمنین کو قسم کھانے سے بری کر دو۔ وقت کا خلیفہ یہ سن کر نالاں ہو جاتا ہے اور رنجیدہ ہو کر کہتا ہے:

«هٰذَا أَوَّلُ الْجَوْرِ» ”یہ پہلا ظلم ہے۔“

اور پھر جا کر مدعی کے پہلو میں بیٹھ کر قاضی کو آواز دیتا ہے:

«مَادُمْتَ لَمْ تُسَاوِ بَيْنَ عُمَرَ وَرَجُلٍ عَامِيٍّ ، فَلَا يُمْكِنُ أَنْ تَكُونَ جَدِيرًا لِمَنْصَبِ الْقَضَاءِ»

”جب تک تم عمر اور ایک عام آدمی کے ساتھ مساوی رویہ اختیار نہیں کرتے، اس وقت تک تم منصب قضا کے مستحق ہر گز نہیں بن سکتے۔“

اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلام نے تو روز اول سے عدل و مساوات کی طرح ڈالی ہے اور اصول و ضوابط کی سیدھی لکیر کھینچ کر سب کو اس کا پابند بنا دیا ہے۔ اس لکیر سے

تجاوز کرنے والا مجرم ہے، خواہ وہ شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، صاحب منصب ہو یا گم نام اور عالم ہو یا جاہل۔ شرعی حدود سے تجاوز کرنے والا بڑا ہو یا چھوٹا، کوئی بھی ہو، یکساں سزا کا مستحق ہے۔ معترضینِ اسلام سیکڑوں اسلامی واقعات کو چھوڑیں اور صرف یہ ایک واقعہ پڑھیں اور اندازہ کریں کہ اسلام کا نظامِ عدل و مساوات کس قدر عظیم ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کا ارتکاب کیا اور پکڑی گئی۔ قریش کو فکر دامن گیر ہوئی کہ اب تو اس عورت کا ہاتھ شرعی قانون کے تحت کاٹ دیا جائے گا، چنانچہ مشورہ ہونے لگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس عورت کے بارے میں سفارش کرنے کی جرأت کون کرسکتا ہے؟ ان کی نظر اسامہ بن زید پر پڑی جن سے آپ کو بے انتہا محبت تھی اور اسی لیے وہ "حِبُّ رسول الله" کہلاتے تھے۔ قریش کے کہنے پر اسامہ خدمت نبوی میں پہنچتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں۔ عدالت نبوی میں یہ آواز گونجتی ہے:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ!»

"کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کی جرأت کرتا ہے؟!

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجمع کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے یہ خطاب فرماتے ہیں:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

"اے لوگو! تم سے پہلے لوگوں کو بھی صرف اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان

میں کوئی معزز آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب ان کا کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ کی قسم! (کان کھول کر سن لو!) اگر محمد کی صاحبزادی فاطمہ بھی چوری کرتی تو یقیناً میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔“

اور پھر اس مخزومی قریشی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔(1)

اللہ کی قسم! اگر عدل وانصاف اور مساوات کا یہ فطری نظام دنیا کے تمام ممالک میں نافذ ہو جاتا تو پوری انسانیت امن وامان کے گہوارے میں صبح وشام کرتی اور ظلم وطغیان کا یہ منظر دیکھنے کو نہ ملتا کہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں امن وآشتی کا منافقانہ جھنڈا لے کر نکلنے والے حکمران مظلوم عوام پر ظلم وجور کے خونخوار پنجے گاڑے ہوئے ہیں اور حقوق انسانی ونسوانی کے نام پر شیطنت کا ننگا ناچ ناچ رہے ہیں۔

کیا وقت کے ان فرعونوں کے لیے اب بھی ہوش کے ناخن لینے کا وقت نہیں آیا کہ خودساختہ قوانین کو بالائے طاق رکھ کر مُنَزَّل من اللّٰہ قوانین ہی کو اپنی حکومتوں کا لائحۂ عمل قرار دیں تاکہ بے انصافی اور جوروظلم کے تیروں سے چھلنی انسانیت کے زخموں کی مرہم پٹی ہو سکے، نیز امن وامان اور حق وانصاف کا اس قدر بول بالا ہو کہ طاقتور اپنی حدود میں رہے اور کمزور تحفظ کے احساس سے سرشار رہے۔

---

(1) بخاری 3475، مسلم 1688

غصے میں فیصلہ نہ کریں

موسیٰ بن اسحٰق نیشا پور اور اہواز میں قاضی رہے، یہ بہت ہی فصیح اللسان اور متبحر عالم تھے مگر انھیں کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ ایک مرتبہ ایک خاتون ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی:

«أَيُّهَا الْقَاضِی !لاَ يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَحْكُمَ بَيْنَ اثْـنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ»

''قاضی صاحب! آپ کے لیے دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ کرنا جائز نہیں۔''

قاضی صاحب نے پوچھا: کیوں؟

خاتون نے عرض کیا: کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَقْضِی الْقَاضِی بَيْنَ اثْـنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ»

''قاضی غصے کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔''(1)

یہ سن کر قاضی موسیٰ بن اسحاق مسکرانے لگے۔(2)

ان کی وفات اہواز میں ہوئی۔

---

(1) بخاری (7158)، مسلم (1717)، ابوداود (3589)، ترمذی (1334)، نسائی (8/237)

(2) دیکھیے: کتاب الأذکیاء (245)، سیر اعلام النبلاء (13/581)

قاتل سے ہمدردی

17 رمضان المبارک 40ھ کو جمعے کے دن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شقی القلب عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے نماز فجر میں تلوار سے وار کر کے بری طرح زخمی کر دیا۔ قاتل اسی وقت پکڑا گیا۔ آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا: تم نے اس آدمی کو قید تو کر لیا ہے لیکن اس کا قتل اس وقت تک ملتوی رکھو جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔ اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کیا جائے اور اگر میں زندہ رہوں تو صرف زخم کا بدلہ لیا جائے گا۔ جان کا بدلہ جان ہے۔ اگر میں مر گیا تو اس کو مار ڈالنا۔ اگر میں زندہ رہا تو اس کی نسبت میں خود فیصلہ کروں گا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں مسلمانوں کا خون نہیں کرانا چاہتا۔ خبردار! بجز میرے قاتل کے اور کسی کو نہ مارنا۔ اے حسن! آگاہ رہو کہ میرے قاتل کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دشمن نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا وار کر کے بری طرح زخمی کر دیا تھا اور آپ کی حالت بالکل خراب ہو چکی تھی۔ اب زندہ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مگر دشمن کی طرف سے اس مہلک وار کے باوجود آپ نے انتقامی فیصلہ نہیں سنایا بلکہ آخر وقت تک عدل وانصاف کا دامن پکڑے رہنے ہی کی تلقین کی۔

قارئین کرام! سنہرے فیصلوں کی ایک جھلک یہ بھی تھی جس کا آپ نے مشاہدہ کیا۔

ام سنان کی آزادانہ گفتگو

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان (1) مدینے کا گورنر تھا۔ اکثر لوگ اس کی خودرائیوں اور سختیوں کے شاکی تھے مگر دربارِ معاویہ میں کسی کو شکایت کی جرأت نہ تھی۔ مروان نے ایک لڑکے کو کسی قصور پر یا کسی بہانے سے قید کر دیا۔ اس کی دادی ام سنان بنت خیثمہ، مروان کے پاس پہنچی اور اس کی بے گناہی اور اپنی ضعیفی کا اظہار کیا مگر مروان نے ایک نہ سنی۔

آخر وہ تنگ آ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا:

بنت خیثمہ! میرے پاس آنے کی زحمت کیسے کی؟ آخر تم وہی تو ہو جو ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابلے پر برانگیختہ کرتی تھیں۔

ام سنان نے کہا:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ لِبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ أَخْلاَقًا طَاهِرَةً وَأَعْلاَمًا ظَاهِرَةً، لاَ يَجْهَلُونَ بَعْدَ حِلْمٍ وَلاَ يَسْفَهُونَ بَعْدَ عَفْوٍ، وَإِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاتِّبَاعِ سُنَنِ آبَائِهِ لأَنْتَ»

''اے امیر المؤمنین! عبد مناف کی اولاد کو پاکیزہ اخلاق اور نمایاں خوبیوں سے نوازا گیا ہے۔ وہ واقف ہو کر انجان نہیں بنتے' اور حلم کے بعد سفاہت اختیار نہیں کرتے' اور عفو کے بعد انتقام نہیں لیتے' اور آپ تمام دوسرے لوگوں سے بڑھ کر اپنے آباؤ اجداد کی روایات کے امین ہونے کے لائق ہیں''۔

امیر معاویہ: بے شک ہم ایسے ہی ہیں، مگر کیا تم وہی نہیں ہو جس نے اپنے

اشعار میں علی مرتضیٰ کی مدح وثنا اور ان کے مخالفین کی تضحیک کی تھی۔

انھوں نے کچھ اشعار بھی جو ام سنان نے لکھے تھے سنا دیے۔

ام سنان! بے شک یہ اشعار میرے ہی ہیں۔ لیکن میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہمارے لیے علی رضی اللہ عنہ کے بعد بہتر خلیفہ ثابت ہوں گے۔

امیر کے ایک درباری نے جو پاس ہی بیٹھا تھا، ام سنان کے کچھ اور اشعار پڑھے جو بہت زیادہ سخت الفاظ میں تھے۔ امیر کا دل اور مکدر ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر ام سنان نے کہا:

"اے امیر المؤمنین! تیرے ایسے ہی ساتھیوں نے مسلمانوں کو تجھ سے ناراض کر رکھا ہے۔ ان کی باتوں کو، جو خود غرضی اور جھوٹی خوشامد پر محمول ہوتی ہیں، حقیر جان اور ان کو اپنا مقرب نہ بنا۔ اگر تو ایسے ساتھیوں سے بچتا رہے گا تو اللہ کا قرب نصیب ہونے کے علاوہ مؤمنوں کے دلوں میں تیری جگہ ہوگی۔"

امیر معاویہ: کیا واقعی تم نے یہ اشعار کہے ہیں؟

ام سنان بولی:

«كَانَ وَاللهِ عَلِيٌّ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْكَ إِذْ كَانَ حَيًّا وَ أَنْتَ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ غَيْرِكَ إِذْ أَنْتَ بَاقٍ»

اللہ کی قسم! علی اپنی زندگی میں ہمیں آپ سے زیادہ محبوب تھے، مگر اب جبکہ وہ نہیں ہیں، آپ ہمیں اور لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔"

اس نے مزید کہا:

ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو منہ پر تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے برا بھلا

کہیں۔ جو چیز میرے دل میں جاگزیں تھی، میں نے کہہ دی ہے۔

امیر معاویہ: اور لوگوں سے تمھارا کیا مطلب ہے؟

ام سنان: مروان بن حکم اور سعید بن عاص جو تجھے اور تیری حکومت کو بدنام کر رہے ہیں۔

امیر معاویہ: میرے ساتھ محبت وعقیدت کی کیا وجہ ہے؟

ام سنان: تمھارے حلم وبردباری کی وسعت اور تمھارے عفو ودرگزر کے سبب سے۔

امیر معاویہ: یہاں کیونکر آنا ہوا؟

ام سنان: حاکم مدینہ مروان کی شکایت لے کر آئی ہوں۔ نہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرتا ہے نہ شریعت کے موافق فیصلے' مسلمانوں کی لغزشوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ان کے راز کا پردہ فاش کرتا ہے۔ سارے لوگ اس سے تنگ ہیں۔ اس نے میرے پوتے کو جیل میں ڈال رکھا ہے۔ میں دادخواہی کے لیے اس کے پاس گئی مگر اس نے میری ایک نہ سنی اور الٹا مجھ ہی پر برس پڑا اور برا بھلا کہنے لگا۔

«فَأَلْقَمْتُهُ أَخْشَنَ الْحَجَرِ وَأَلْعَقْتُهُ أَمَرَّ مِنَ الصَّابِ»

"چنانچہ میں نے اسے سخت ترین پتھر سے اور اندرائن سے زیادہ کڑوے جواب کا مزہ چکھایا۔"

اب میں مجبور ہو کر آپ کے دربار میں آئی ہوں جہاں مروان کی نسبت زیادہ عفو ودرگزر کی امید ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام سنان کی باتیں سن کر اپنے منشی کو حکم دیا کہ ام سنان کے پوتے کی رہائی کا حکم لکھ کر اس کے حوالے کر دو۔

ام سنان گویا ہوئی: اے امیر المؤمنین! میں اپنے گھر کیسے جا سکتی ہوں جبکہ میرا زادِ راہ ختم ہو چکا ہے اور میری سواری کمزور ہو چکی ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سواری کے لیے ایک اونٹ اور زادراہ کے لیے پانچ ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ (2)

(1) مروان بن حکم بن ابی العاص بن اُمیّہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچازاد تھا۔ اس کا والد حکم، ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا چچازاد تھا۔ مروان 2ھ میں پیدا ہوا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں میر منشی رہا۔ اس نے مرج راہط کی جنگ (64ھ) میں خلیفہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سپہ سالار ضحاک بن قیس کو شکست دے کر دمشق میں اموی خلافت کا احیا کیا اور یزید بن معاویہ کی بیوہ ام خالد سے نکاح کر لیا۔ رمضان 65ھ میں ام خالد کے ایما پر اس کی باندیوں نے مروان کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔
(تاریخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔ اٹلس سیرت نبوی)

(2) یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ میں نے اس کا بیشتر حصہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق الکبیر (182/74) سے لیا ہے۔

ایک چوکیدار کی فرض شناسی

ابو العباس سفاح کا ولی عہد اس کا بھائی ابو جعفر منصور تھا۔ جب وہ طلبِ علم کے لیے ادھر ادھر پھرا کرتا تھا تو ایک دن ایک منزل پر اترا جہاں ہر آدمی سے دو درہم محصول لیا جاتا تھا۔ چوکیدار نے کہا: جب تک آپ محصول ادا نہ کریں گے' یہاں قیام پذیر نہیں ہو سکتے۔

منصور نے کہا: میں بنو ہاشم میں سے ہوں اور ابو العباس کا بھائی ہوں، محصول سے درگزر کرو۔ اس نے کہا: حکمِ حاکم سے مجبور ہوں۔

منصور نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹوں میں سے ہوں۔

چوکیدار نے کہا: جو آئین ہے اس کے خلاف کس طرح عمل کر سکتا ہوں؟!

منصور نے کہا: میں قرآن مجید جانتا ہوں۔ عالم، فقیہ اور ماہر فرائض ہوں۔ دو درہم کیا میں ہزار ہزار درہم کا ایک نکتہ بیان کروں گا۔ چوکیدار نے کہا: یہ سب صحیح ہے لیکن آئین سلطنت میں کسی کے ساتھ رواداری جائز نہیں ہے، اس لیے مجھے اس معاملے میں معذور سمجھو۔

ایک ادنیٰ چوکیدار اپنے فرائض کی بجا آوری میں اس شخص کا جو بنو ہاشم میں سے ہے' عالم اور فقیہ ہے اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد خلیفہ بننے والا ہے، کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ کیا آج بھی ملازمین اور غیر ملازمین اپنے فرائض کی بجا آوری میں ایسی ہی مستعدی کے ساتھ مساوات اور حریت کا اظہار کر رہے ہیں؟[1]

---

(1) دیکھیے: ناقابل فراموش واقعات از محمد دین فوق: 139

خلیفہ منصور کے حق گو مشیر

مبارک بن فضالہ خلیفہ منصور کے مشیران میں سے تھے۔ ایک دن وہ منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ منصور نے ایک شخص کو اس کے کسی قصور پر قتل کی سزا دی۔ مبارک نے کہا:

امیر المؤمنین! میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قیامت کے دن منادی کی جائے گی کہ جن لوگوں کا کوئی اجر اللہ کے اوپر ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہوگا سوائے اس کے جس نے کسی کی جان بخشی کی ہو۔ پھر اس کا قصور بھی ایسا سخت نہیں ہے۔ عفو اور جان بخشی کے نتائج بہت اچھے نکلا کرتے ہیں۔

منصور نے حکم دیا کہ اس شخص کو (تنبیہ کر کے) رہا کر دیا جائے۔

اسی طرح ایک اور شخص سزا یابی کے لیے خلیفہ کے حضور پیش کیا گیا۔ اس شخص نے کہا: امیر المؤمنین! عفو انتقام سے بہتر ہے۔ ہم آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو کسی لغزش اور سختی میں مبتلا نہ کرے اور اعلیٰ مراتب پر پہنچائے۔ منصور نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ (1)

---

(1) دیکھیے: تاریخ الخلفاء: 144

اشاعتِ علم کی خاطر منصبِ قضا سے انکار

اصفہان میں زفر بن ہذیل بن قیس بن سَلم الخیری البصری نامی ایک فقیہ گزرے ہیں۔110ھ میں ہشام بن عبدالملک بن مروان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ وہ امام ابوحنیفہ کے ان دس اصحاب میں سے تھے جنھوں نے امام صاحب کی کتب فقہ کی تدوین میں تعاون کیا۔

زفر کو حاکم وقت کی طرف سے عہدۂ قضا کے لیے کہا گیا تو آپ نے اس بنا پر انکار کیا کہ وہاں تو خطا کا اندیشہ ہے اور گناہ کا احتمال' یہاں دینی مسائل پر درس و تدریس جاری ہے جو ثواب ہی ثواب ہے' اس لیے میں احکام شریعت اور علم کی ترویج کو عہدۂ قضا سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حاکم نے اس پر ناراضی ظاہر کی مگر آپ نے کوئی پروانہ کی۔ کسی نہ کسی بہانے سے دو مرتبہ آپ کا مکان بھی گرا دیا گیا اور آپ کو اور بھی کئی قسم کی تکالیف دی گئیں مگر آپ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ (1)

---

(1) حدائق الحنفية :2/109

ایک بیوہ کی آزادانہ فریاد

دولت عباسیہ کا تاجدار مامون الرشید (1) جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کی یاد تازہ کر دی سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے۔ شہزادہ عباس، مامون الرشید کا بڑا لڑکا، طائفۃ النمل کے قریب شکار میں مصروف ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی رنگین شعاعیں آبِ دجلہ پر اُتر رہی ہیں، خوش الحان پرندے دجلہ کے کنارے حسین نغمات کے ساتھ وداع روز روشن کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ اتنے میں مامون الرشید کے صاحبزادے عباس کی نگاہ ایک حسین عورت پر پڑتی ہے جو پانی کا گھڑا ابھر رہی ہے۔

"تو کون ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے، کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے، حسن جنم لے سکتا ہے؟"

شہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے دیکھتا ہے تو غیور حسینہ کے چہرے پر بل آ چکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اس نے شہزادے کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا اور آگے بڑھ گئی۔

باپ کی عظیم الشان حکومت کا نشہ عباس کے سر پر سوار تھا، حکم دیا: اس مغرور عورت کا حسب نسب معلوم کرو اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دے دو۔

نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔ شہزادے نے اپنا شکار ملتوی کیا اور خیمے میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ کبھی خیمے سے باہر آتا تھا کبھی اندر۔ اتنے میں ایک خادم نے آ کر عرض کی:

عورت خاندانِ برامکہ سے تعلق رکھتی ہے، نام مغیرہ بنت ازار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور

حسین بن موسیٰ کی بیوہ ہے۔اس کے عزیزواقارب میں سے اب کوئی زندہ نہیں،صرف دو معصوم بچے ہیں۔نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔آپے سے باہر ہوگئی اور یہ الفاظ کہے:

''ہارون ہماری جانیں تباہ کر چکا،اب مامون ہماری عزت کے در پے ہے۔ لیکن عباس یاد رکھے کہ اس کی شہزادگی کو اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دوں گی۔''

رات کا پردہ دنیا کے چہرے سے اٹھا۔ادھر صبح صادق آلِ برامکہ کی بربادی کا افسوس کرتی ہوئی نمودار ہوئی،ادھر طائفۃ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا کر چھوٹے بچے کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کچھ کہنا چاہتی تھی کہ شہزادہ عباس کا پیغام ایک قاصد کے ذریعے سے اس کے کان میں پہنچا:

''شہزادہ عباس کا غصہ تیرے جان و مال کو خاک میں ملا دے گا،یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے اور تجھ کو دو گھنٹے کی مہلت دی جاتی ہے،یہ مکان خالی کر دے۔''

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازے پر آئی اور قاصد سے کہا:عباس اس وقت کو بھول جائے جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا اور اس بے گناہ قتل نے آلِ برامکہ کو دو' دو دانوں کو محتاج کر دیا۔لیکن برمکی بیبیاں عباسی مظالم کو جس تحمل سے برداشت کرتی آئی ہیں،تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔''اتنا کہہ کر مغیرہ ایک سفید چادر سر پر ڈال کر دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر چلی گئی۔

دوسری صدی ہجری ختم ہونے کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین ہے۔امرا و وزرا خاموش بیٹھے ہیں کہ مظلوم مغیرہ،جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کو شرماتا تھا لیکن اب ضعیفی کے آثار نمودار ہو

رہے تھے، دربار شاہی میں حاضر ہوئی اور کہا:

''ایک بیوہ کا مکان صرف اس لیے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی، سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو۔ لیکن مامون الرشید! ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ ایک ظالم کے خلاف تیرے پاس فریاد لائی ہوں، انصاف کر اور داد دے۔''

تمام درباری عورت کا منہ تکنے لگے، مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خلیفہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا۔

مامون الرشید نے عورت سے کہا: اس ظالم کا نام بتا کہ وہ کون ہے؟ عورت نے ہنس کر کہا: ''شہزادہ عباس، جو تخت شاہی پر آپ کے برابر بیٹھا ہے۔''

آج مسلمانوں کی حالت خراب سہی مگر یہ کمزور قوم کبھی اسقدر توانا تھی کہ مامون کا چہرہ اتنا سنتے ہی غصے سے سرخ ہو گیا، اس نے چوبدار کو حکم دیا کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔

شہزادہ عباس خاموش تھا اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔ مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان مصیبت بیان کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا یہاں تک کہ اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے:

''عباس! یہ صحیح ہے کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے، لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے اس وقت کے کہ اگر تو اپنی دھن میں آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچتا تو تیری گردن مروڑ کر رکھ دیتے۔ آلِ برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کر دی مگر ہماری عصمت وہ دولت ہے کہ ہم عباسی سلطنت کو اس پر قربان کر دیں گے۔''

وزرائے سلطنت مغیرہ کی جرأت پر متعجب ہوئے اور کہا: یہ بے باکی آداب

شاہی کے خلاف ہے، ادب سے گفتگو کرو۔

مامون نے کہا: اس کو مت روکو۔ یہ حق رکھتی ہے کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلے کو بلند کر دیا ہے، اور عباس کی کمزوری ہے جس نے اس کو گونگا بنا دیا ہے۔

اسی وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اہلکاروں سے لے کر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈال دیں اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا بلکہ ایک عالی شان محل ''قصر عباس'' مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی کہ وہ شہزادے کا قصور معاف کر دے۔ (2)

---

(1) ابوالعبّاس مامون الرشید کا اصل نام عبد اللہ تھا، باپ ہارون الرشید نے مامون کا خطاب دیا۔ 170ھ میں جس رات مامون پیدا ہوا، اسی رات خلیفہ ہادی بن مہدی کا انتقال ہوا تھا اور اس کا بھائی ہارون جانشین بنا تھا۔ 193ھ میں ہارون کا انتقال ہوا تو امین الرشید ان کا جانشین بنا۔ پھر 198ھ میں امین الرشید کے قتل کے اگلے روز مامون الرشید کی خلافت کی بیعت ہوئی جبکہ وہ خود مرو میں مقیم تھا۔ وہیں 200ھ میں اس نے امام علی رضا کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر 215ھ میں ان کی وفات کے نتیجے میں خلافت آلِ عبّاس ہی میں رہی۔ محمد بن موسیٰ خوازمی نے مامون کی فرمائش ہی پر الجبر والمقابلہ نامی کتاب لکھی جو علم الجبرا کی بنیاد بنی۔ مامون نے سنجار (عراق) کے میدان اور صحرائے کوفہ میں زمین کے محیط کی پیمائش کرائی جو تقریباً 24 ہزار میل نکلی۔ مامون ہی کے عہدِ خلافت میں فتنۂ خلق قرآن نے زور پکڑا۔ مامون الرشید نے 218ھ میں وفات پائی۔

(ماخوذ از تاریخ اسلام جلد اول۔ اکبر شاہ خان نجیب آبادی)

(2) یہ واقعہ جناب محمد دین فوق صاحب کی کتاب ''ناقابل فراموش واقعات'' (165-167) سے معمولی تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے۔

وزیر کی دور اندیشی

مامون کے عہد خلافت میں اس کے چچا ابراہیم نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ مامون نے اس کی گرفتاری کے لیے ایک لاکھ درہم کا انعام مقرر کیا۔ ابراہیم بے چارہ بھاگتا پھرتا تھا۔ آخر گرفتار ہو کر 210ھ میں مامون کے حضور لایا گیا۔ مامون اسے سخت سست کہہ چکنے کے بعد ارکان دولت کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اس کے سلسلے میں آپ سب کی کیا رائے ہے؟ سب نے متفق ہو کر کہا: ''قتل۔''

مگر احمد بن ابی خالد وزیر نے رائے عامہ کے خلاف شفاعت کی جرأت کی اور کہا: تاریخ میں ایسی مثالیں بہت ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا، لیکن اے امیر المؤمنین! اگر آپ بخش دیں تو یہ تاریخ میں آپ کی فیاضی اور تقصیر بخشی کی ایک عمدہ مثال ہوگی۔

مامون نے سر جھکا لیا اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:

میرے بھائی امین کو میری قوم نے قتل کیا۔ میں اگر ان پر پتھر چلاؤں تو الٹا مجھ ہی کو لگے گا۔

یہ کہہ کر تھوڑی دیر تک سر جھکائے رکھا اور اس کے بعد معافی کا پروانہ جاری کر دیا اور اس فیصلے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

شرع اور ادب کا حق

بنو عباس کے تیسرے خلیفہ مہدی کو کوفہ کے لیے ایک ایسے قاضی کی تلاش تھی جو عالم دین ہو، فقیہ بھی ہو اور متقی و پرہیزگار بھی ہو اور کسی بھی شخص کو خاطر میں نہ لانے والا ہوتا کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو خوب پورا کر سکے۔ لوگوں نے انھیں شریک بن عبداللہ (1) کے بارے میں بتایا کہ یہ ایسی شخصیت ہیں جو مندرجہ بالا صفات کی حامل ہیں۔ انھیں خلیفہ نے بلوایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کوفہ کے رئیس القضاۃ کا عہدہ سنبھال لیں۔

شریک کہنے لگے: مجھے قاضی بننے کی خواہش نہیں اور نہ میں اس عہدے کو قبول کروں گا۔

مہدی نے سوال کیا: آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

شریک: مجھے ڈر ہے کہ میں انصاف کے تقاضے پورے نہ کر پاؤں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں فیصلہ کرنے میں غلطی کر جاؤں کہ میں آخر انسان ہوں اور اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے اور میں جہنم کا راہی بن جاؤں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ جب میں اعلیٰ حکام اور رؤسا اور امراء کے خلاف فیصلے کروں گا تو انھیں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مہدی نے کہا: دیکھیے اگر آپ اپنی سمجھ بوجھ، فہم و فراست اور جانبین کے دلائل سننے کے بعد حق اور سچ کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور ایسی صورت میں آپ فیصلہ کرنے میں خطا کر جائیں، تب اگر آپ غلط بھی ہیں تو بھی حدیث کے مطابق آپ کو ایک اجر ضرور ملے گا۔ اور اگر آپ درست فیصلہ کرتے ہیں تو دوہرے اجر کے حق دار ہوں گے۔ اللہ کے ہاں پکڑ اور سزا تو تب ہوگی جب آپ جان بوجھ کر

غلط فیصلہ کریں گے۔ رہی بات آپ کے احکامات کو نافذ کرنے کی تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے تمام فیصلوں پر عمل درآمد کیا جائے گا، خواہ وہ میرے ہی خلاف کیوں نہ ہوں۔ پھر خلیفہ نے نہایت لجاجت سے کہا:

اے علمائے دین اور امت کے بہترین افراد! اگر آپ نے اس منصب کو قبول نہ کیا تو پھر اس کے لیے لوگ کہاں سے آئیں گے؟ کیا اس منصب کے لیے جاہل، ظالم اور منحرف لوگوں کو منتخب کر لیں؟ سنیں! اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو کل قیامت کے دن آپ کو اللہ کے ہاں جواب دینا ہوگا کہ آپ نے میدان حق سے راہ فرار اختیار کی۔

اس یقین دہانی کے بعد قاضی شریک بن عبداللہ نے کوفہ کا قاضی بننا قبول کر لیا۔ اس دور میں کوفہ کا گورنر خلیفہ کا چچا موسیٰ بن عیسیٰ تھا۔

شریک نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔ صبح سویرے مجلس قضا میں جا بیٹھتے۔ مقدمات پیش ہوتے۔ دونوں طرف کے فریق آتے۔ گواہیاں سنی جاتیں اور حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فیصلے صادر کیے جاتے۔ کسی قسم کا دباؤ، رشوت اور سفارش کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ اور قاضی شریک سے اس قسم کی توقع ناممکن تھی۔

کوفہ میں نہر فرات کے کنارے ایک خوبصورت باغ تھا جس کا مالک کوفہ کا ایک شخص تھا۔ اس باغ کے ساتھ ہی کوفہ کے گورنر موسیٰ کا محل تھا۔ موسیٰ کی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ باغ خرید لے تاکہ اس کا محل مزید کھلا اور کشادہ ہو سکے، چنانچہ اس نے اس کے مالک کو پیش کش کی کہ وہ باغ اسے فروخت کر دے مگر اس نے انکار کر دیا۔

کچھ عرصہ گزرا، وہ شخص فوت ہو گیا۔ اس کے ورثا میں چند بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ اب موسیٰ بن عیسیٰ نے ورثا کو دوبارہ پیش کش کی کہ وہ باغ خریدنا چاہتا ہے اور

اس کے لیے خطیر رقم بھی پیش کی۔ لڑکوں نے اپنا حصہ بیچنے پر رضامندی ظاہر کر دی مگر بیٹی نے اپنا حصہ بیچنے سے انکار کر دیا۔ اس کو خاصا سمجھایا گیا اور دباؤ بھی ڈالا گیا مگر اس نے کہا کہ جس زمین کو میرے باپ نے فروخت نہیں کیا، میں بھی اسے فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میرے بھائیوں نے اپنا حصہ بیچ دیا ہے، ان پر میرا اختیار نہیں مگر جہاں تک میرے حصے کی زمین کا تعلق ہے میں کسی صورت میں اسے فروخت کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ اس نے اپنے حصے کی زمین کے اردگرد دیوار تعمیر کروا دی۔ گورنر موسیٰ بن عیسیٰ کی خواہش تھی کہ ہر حالت میں وہ یہ حصہ بھی اپنے محل میں شامل کر لے۔ اس نے خاصی خطیر رقم کی پیش کش کی۔ مگر اس لڑکی نے اسے بھی ٹھکرا دیا۔ جب تمام ترغیبات ناکام ہوگئیں اور دباؤ کا حربہ بھی آزمایا جا چکا تو گورنر نے ایک دن اپنے نوکروں کو حکم دیا جنھوں نے دیوار کو گرا کر اس زمین کو محل میں شامل کر دیا۔ ادھر اس لڑکی نے گورنر کوفہ موسیٰ بن عیسیٰ کے خلاف قاضی شریک کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔

قاضی شریک نے گورنر کوفہ کے سمن جاری کر دیے۔ اسے عدالت میں بلوایا کہ آکر اپنے موقف کی وضاحت کرے۔ گورنر نے عدالت میں جانے سے گریز کیا اور اسے اپنی اہانت سمجھا کہ وہ گورنر ہو کر کیونکر ایک عام عورت کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہو۔ اس نے پولیس کے چیف کو بلوایا اور تاکید کی کہ جا کر قاضی کو سمجھاؤ اور اس سے کہو کہ اس نے ایک عورت کے دعوے کو گواہوں کے بغیر کیسے قبول کر لیا ہے۔

پولیس کا چیف عدالت میں پیش ہوا اور گورنر کا موقف بیان کیا۔ قاضی نے کہا کہ میں نے تمھیں تو نہیں گورنر کو بلوایا تھا۔ اسے خود آکر وضاحت کرنی چاہیے تھی۔

اس نے ایک پولیس افسر کو بھجوا کر عدالت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا عدالت کو مشورہ دینا عدالت کے معاملات میں مداخلت کے ضمن میں آتا ہے اور یہ اصل میں توہین عدالت ہے۔ چونکہ تم نے عدالتی کام میں دخل اندازی کی ہے، لہٰذا تمھیں جیل جانا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی قاضی نے عدالتی پولیس والوں کو اشارہ کیا جنھوں نے پولیس چیف کو حوالات میں بند کر دیا۔

ادھر گورنر کو جب پتہ چلا کہ پولیس کے چیف کے ساتھ کیا بیتی ہے تو وہ سخت ناراض ہوا کہ قاضی کی یہ جرأت کہ میرے پولیس افسر کو جیل بھجوا دیا ہے۔ خیر اس نے کچھ معززین شہر کو بلوایا کہ وہ جا کر قاضی کو سمجھائیں کہ گورنر کوئی عام آدمی نہیں کہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا سلوک کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ تو خاص معاملہ ہونا چاہیے۔ معززین شہر کا ایک وفد قاضی کے پاس آیا، گورنر کا پیغام دیا اور اس کی ناراضی سے آگاہ کیا۔

قاضی شریک نے ان کو جواب دیا کہ عدالت کی نظر میں تمام عام و خاص برابر ہیں اور تم لوگوں نے بھی عدالتی نظام میں مداخلت کر کے توہین عدالت کی ہے، لہٰذا تمھیں بھی جیل بھجوایا جا رہا ہے، چنانچہ انھیں پولیس والوں نے گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔

گورنر کو جب ان حالات کا علم ہوا تو سخت چیں بہ جبیں ہوا کہ ایک قاضی کو ہمارے خاص لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ اس نے اپنی پولیس فورس کو ساتھ لیا اور سیدھا جیل جا پہنچا اور پولیس چیف سمیت تمام لوگوں کو رہا کر دیا۔

ادھر جیل کا نگران سیدھا قاضی شریک کے پاس آیا اور آ کر سارا واقعہ سُنایا۔

قاضی شریک نے کہا کہ میں نے اس عہدے کی نہ تو طلب کی تھی اور نہ تمنا۔ یہ تو مجھے خلیفہ نے مجبور کیا تھا اور میں نے اس شرط پر اس عہدے کو قبول کیا تھا کہ میرے ہر فیصلے کو نافذ کیا جائے گا۔ قاضی نے اپنے کاغذات' کتب اور اپنا ذاتی سامان اکٹھا کیا، اپنی سواری پر بیٹھے اور بغداد کا رخ کر لیا۔

ادھر گورنر کو جب قاضی کے شہر چھوڑنے کی اطلاع ملی تو بڑا پریشان ہوا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اگر خلیفہ کو سارے حالات کا پتہ چل گیا تو میری گورنری فوراً ختم ہو جائے گی، چنانچہ اس نے قاضی شریک کو کوفہ کے باہر روک لیا۔ قاضی کو راضی کرنے کی کوششیں کیں کہ کسی طرح راضی ہو جائے اور واپس کوفہ چلے۔ وعدہ کیا کہ آپ جو کہیں گے مانوں گا۔

قاضی نے کہا: ایک شرط پر واپس جاؤں گا۔

گورنر نے پوچھا: وہ شرط کیا ہے؟

قاضی نے کہا کہ جتنے لوگوں کو تم نے رہا کروایا ہے، سب کو دوبارہ جیل جانا ہوگا اور تمھیں اس عورت کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا۔

گورنر نے قاضی کی تمام شرائط تسلیم کر لیں، چنانچہ تمام رہا شدہ معززین مع پولیس چیف دوبارہ جیل بھجوا دیے گئے اور گورنر بھی عدالت میں پیش ہو گیا۔

قاضی نے بیان سننے کے بعد فیصلہ سنایا: جو دیوار گرائی گئی ہے اسی طرح دوبارہ بنوائی جائے، عورت کی زمین واپس کی جائے اور اسے زمین فروخت کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

جیسے ہی گورنر نے فیصلہ قبول کیا، قاضی نے فوراً حکم جاری کیا کہ تمام قیدی جو توہین عدالت یا امورِ عدالت میں مداخلت کے جرم میں جیل میں ہیں ان کو رہا کر دیا

جائے، چنانچہ تمام قیدی رہا کر دیے گئے۔ عورت کو اس کی زمین واپس مل گئی۔ انصاف اور حق کا بول بالا ہوگیا۔ اگلے دن یہ ہوا کہ قاضی شریک گورنر کے دربار میں تشریف لے گئے۔ گورنر نے خیر مقدم کیا، اپنے ساتھ بٹھایا اور آنے کا مقصد دریافت کیا۔ قاضی شریک کہنے لگے:

«أَيُّهَا الأَمِيرُ! هَلْ تَـأْمُرُنِي الآنَ بِشَيءٍ؟»

میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اگر میرے لائق کوئی کام یا خدمت ہو تو اس کا حکم دیجیے، میں اسے بجالاؤں؟

گورنر نے کنکھیوں سے قاضی کی طرف دیکھا، گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ کل تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا اور آج کیا کہہ رہے ہو۔ قاضی شریک نے کہا:

«فَذَاكَ حَقُّ الشَّرْعِ وَهٰذَا حَقُّ الأَدَبِ»

جو میں نے کل کیا وہ شرعی حق تھا، نافذ کرنا میری ذمہ داری تھی۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے۔ آپ حاکم شہر ہیں، آپ کا احترام اور عزت کرنا بہت ضروری ہے، لہٰذا یہ ادب کا حق ہے۔

---

(1) قاضی شریک بن عبداللہ بن سنان نخعی 95ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے، پھر کوفہ چلے آئے۔ یہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ یحیٰی بن معین انھیں روایت حدیث میں ثقہ شمار کرتے ہیں۔ قاضی شریک کوفہ اور اہواز میں قاضی رہے اور 177 یا 178ھ میں کوفہ میں انتقال کر گئے۔

(سیر اعلام النبلاء۔ ج 8 ص 200-211)

قرآنی سورتوں کے عوض شادی

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ (1) سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میں خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دوں اور آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنی نگاہ نیچے کر لی اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔ عورت نے جب دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کی بات سے کوئی اثر نہیں لیا اور خاموش ہو گئے ہیں تو وہیں بیٹھ گئی اور آپ ﷺ کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے گزارش کی:

«يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا».

”اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس سے شادی کی خواہش نہیں تو اس کی میرے ساتھ شادی کر دیں۔“

رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا:

«وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيءٍ؟»

”تیرے پاس (اس کو بطور مہر دینے کے لیے) کوئی چیز ہے؟“

اس نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا»

''اپنے اہلِ خانہ کے پاس جا کر دیکھو کہ کوئی چیز تمھیں ملتی ہے؟''

وہ آدمی اپنے گھر گیا اور واپس آ کر عرض کرنے لگا:

«لَا وَاللهِ! مَا وَجَدْتُ شَيْئًا»

نہیں، اللہ کی قسم! مجھے کوئی بھی چیز نہیں مل سکی۔''

رسول اکرم ﷺ نے اسے دوبارہ بھیجا اور فرمایا:

«انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»

''جا کر دیکھو، اگرچہ کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔''

وہ آدمی پھر گیا اور واپس آ کر عرض کرنے لگا:

«لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي لَهَا نِصْفُهُ»

''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! لوہے کی کوئی انگوٹھی بھی نہیں مل سکی، البتہ یہ میرا تہ بند ہے اس میں سے آدھا اس (عورت) کو (بطور مہر) دے دیتا ہوں۔''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ»

''بھلا وہ تمھارے ازار (تہ بند) کا کیا کرے گی؟ اگر تم اسے پہن لو گے تو اس (عورت) کے لیے کچھ نہیں بچ رہے گا اور اگر وہ پہن لے گی تو تمھارے لیے کچھ نہیں بچے گا۔''

رسول اکرم ﷺ کی بات سن کر وہ آدمی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے جب ایک طویل وقت گزر گیا تو وہ غمگین ہو کر اُٹھا اور چل دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے

واپس جاتے دیکھ کر بلوایا اور پوچھا:

«مَا ذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟»

''تمھیں قرآن کا کتنا حصہ یاد ہے؟''

اس نے عرض کی: ''مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔'' اس نے کئی ایک سورتوں کے نام گنوائے۔

رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

«تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟»

''کیا تم انھیں زبانی پڑھ سکتے ہو؟''

اس نے عرض کی: ''جی ہاں۔''

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ»

''جاؤ، جو کچھ تمھیں قرآن یاد ہے اس کے عوض تمھاری شادی اس عورت سے کر دی (گھر جا کر اسے سکھا دینا)۔''(2)

---

(1) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق خزرج کی شاخ بنوساعدہ سے تھا۔ ان کا نام ''حزن'' تھا، نبی کریم ﷺ نے ''سہل'' رکھ دیا۔ انھوں نے طویل عمر پائی۔ حجاج بن یوسف کے ہاتھوں وہ آزمائش سے دوچار ہوئے۔ انھوں نے 97ھ میں 88 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ وہ مدینہ منورہ میں موجود آخری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ (اسد الغابہ ج 2 ص 575-576)

(2) بخاری: 5087، مسلم: 1425، مؤطا: 3/2، نسائی: 113/6، ابوداود: 236/2۔

نفع بخش سودا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ [1] بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ [2] مدینہ منورہ میں کھجور کے باغات کی وجہ سے سارے انصار سے زیادہ مالدار تھے۔ انھیں اپنے باغات میں مسجد نبوی کے بالکل سامنے ''بیرحاء'' نامی باغ سب سے زیادہ پسند اور عزیز تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں وقتاً فوقتاً تشریف لے جایا کرتے اور اس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ آیت

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے''۔ (آل عمران:92)

نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے۔''

«وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ، أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ، فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللّٰهُ»

''اور میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ ہے۔ میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں' اس کی نیکی اور بھلائی اور اس کے ذخیرۂ آخرت

ہونے کا امیدوار ہوں‘ لہٰذا اللہ کے حکم کے مطابق جہاں آپ چاہیں اسے خرچ کریں۔“

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اس عظیم سخاوت پر ارشاد فرمایا:

«بَخٍ ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ، ذَلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الأَقْرَبِينَ»

”بہت خوب! یہ تو بہت ہی نفع بخش سودا ہے، بڑی آمدنی کا ذریعہ ہے‘ میں نے تمھاری بات سُن لی۔ میرے خیال میں تم یہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو۔“

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی تجویز کے مطابق ایسا ہی کروں گا، یعنی اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں میں اسے تقسیم کردوں گا، چنانچہ انھوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتے داروں اور اپنے چچا کے لڑکوں میں تقسیم کردیا۔ (3)

---

(1) حضرت انس بن مالک بن نضر رضی اللہ عنہ کا تعلق خزرج کی شاخ بنو نجار سے تھا۔ انس رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ تھے۔ ہجرت نبوی کے وقت وہ دس سال کے تھے۔ انھوں نے بکثرت احادیث روایت کیں۔ نبی ﷺ نے انھیں کثرت مال و اولاد کی دعا دی، چنانچہ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کی مجموعی تعداد 80 تھی۔ انھوں نے 91ھ میں رحلت فرمائی۔ وہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔ (اسد الغابہ ج1ص294-297)

(2) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید بن سہل تھا اور ان کا تعلق انصاری قبیلہ بنو نجار سے تھا۔ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ قائم کرایا۔ غزوۂ احد میں نبیٔ کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے انھیں 35 سے زیادہ زخم آئے۔ ان کی زوجہ مشہور صحابیہ اُم سُلَیم رضی اللہ عنہا تھیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ زید بن سہل رضی اللہ عنہ نے 31ھ یا 34ھ میں 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ج 6ص 178)

(3) بخاری: کتاب الزکوۃ‘ باب الزکوۃ علی أقاربہ: 1461‘ مسلم: 998۔

صدقہ میں ہدیہ

مؤطا امام مالک، بخاری، مسلم اور نسائی میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی) کے واقعے سے تین سنتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک سنت یہ ہے کہ وہ آزاد ہوئیں تو انھیں اختیار دیا گیا (کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے شوہر مغیث رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی رہیں اور اگر چاہیں تو علیحدگی اختیار کر لیں یعنی نکاح فسخ کر سکتی ہیں)۔

دوسری سنت یہ معلوم ہوئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں) فرمایا:

«الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»

''ولاء آزاد کروانے والے کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔''

مفہوم یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام یا لونڈی کے مرنے کے بعد اس کے چھوڑے ہوئے مال و جائداد کی وراثت کا مستحق وہی ہوگا جو اسے آزاد کرتا ہے۔ عرب لوگ اس قسم کے مال و جائداد کو بیچ کھاتے تھے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ولاء (آزاد کردہ غلام یا لونڈی کے چھوڑے ہوئے مال) کا وارث آزاد کرنے والے کو ٹھہرایا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے تیسری سنت یہ معلوم ہوئی کہ بطور صدقہ ملا ہوا مال کسی مالدار یا اس شخص کو ہدیہ کرنا جائز ہے جس کے لیے صدقہ کھانا جائز نہ ہو۔ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لائے تو چولھے پر ہانڈی میں

گوشت پک رہا تھا۔ آپ ﷺ کو کھانا پیش کیا گیا تو اس میں روٹی اور گھر کا سالن تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے پوچھا:

«أَلَمْ أَرَ بُرْمَةً فِيهَا لَحْمٌ؟»

''کیا میں نے (چولھے پر) ہانڈی میں گوشت پکتے ہوئے نہیں دیکھا؟''

گھر والوں نے عرض کی: آپ بالکل درست فرما رہے ہیں اے اللہ کے رسول! مگر بات دراصل یہ ہے کہ وہ گوشت حضرت بریرہ ؓ کو بطور صدقہ ملا ہے جبکہ آپ صدقے کا مال نہیں کھاتے (اس لیے آپ کی خدمت میں گوشت پیش نہیں کیا گیا ہے)۔

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ»

''وہ گوشت بریرہ کے لیے تو صدقہ ہے مگر ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''(1)

معلوم ہوا کہ صدقے کا مستحق آدمی اگر بطور صدقہ ملے ہوئے مال کو کسی مالدار یا اس آدمی کو ہدیہ کر دے جس کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں تو یہ جائز ہے۔

---

(1) الموطا: کتاب النکاح: 21/2، بخاری: 5097، مسلم: 1075، نسائی: 164/6۔

مسلمان بھائی کو ندامت سے بچانا

مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک ریاح کی بدبو آئی۔ آپ نے فرمایا:

«لِيَقُمْ صَاحِبُ هٰذِهِ الرِّيحِ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''جس شخص نے گوز مارا ہے وہ اٹھ کر وضو کرلے۔''

مگر گوز مارنے والا آدمی مارے شرم کے نہیں اٹھا۔

رسول اکرم ﷺ نے دوبارہ وہی بات فرمائی کہ ''گوز مارنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ جا کر وضو کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس صحابی کو ندامت سے بچانے کے لیے تجویز پیش کی:

«أَلاَ نَقُومُ يَارَسُولَ اللهِ كُلُّنَا فَنَتَوَضَّأُ؟»

''اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم سب ہی اٹھ جائیں اور وضو کرلیں؟''

یہ تجویز پسند کی گئی اور اس پر عمل ہوا۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش آیا تھا۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے اور ان کے علاوہ کئی لوگ بھی تھے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گوز کی بدبو محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہ سارے لوگ اٹھیں اور وضو کرلیں، چہ جائیکہ گوز مارنے والے شخص کو وضو کرنے کا مکلّف ٹھہرایا جائے۔''

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! کیا ایک آدمی کے سبب اتنے سارے لوگ وضو کریں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«رَحِمَكَ اللهُ، السَّيِّدُ كُنْتَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَنِعْمَ السَّيِّدُ أَنْتَ فِي الإِسْلاَمِ»

''اللہ تعالی آپ پر رحم کرے، آپ زمانۂ جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ گوز مارنے والے ہی کو وضو پر مجبور کیا جاتا تو ممکن ہے کہ وہ شرمسار ہو جاتا اور اس کی دل شکنی ہوتی، اس لیے سارے ہی لوگ وضو کرلیں تو وہ آدمی شرمندگی سے بچ جائے گا اور سب کو وضو کا ثواب بھی مل جائے گا۔ (1)

(1) ان دونوں واقعات کو علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''اخبار الأذکیاء'' (ص 56) میں بیان کیا ہے۔

مجرموں کی گرفتاری کا انوکھا انداز

اس واقعے کے راوی اصبغ بن نباتہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس چند لوگوں کے بارے میں مقدمہ دائر کیا کہ یہ لوگ میرے والد کے ساتھ ایک تجارتی سفر پر روانہ ہوئے، مگر واپسی میں ان کے ساتھ میرے والد نہیں تھے۔ میں نے جب ان سے اپنے والد کے متعلق پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ تمھارے والد کا راستے ہی میں انتقال ہو گیا، ہم لوگوں نے اسے وہیں کفنایا اور دفن کر دیا۔ پھر میں نے ان لوگوں سے اپنے والد کے مال و اسباب کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ مرتے وقت اس کے پاس کوئی مال وغیرہ نہیں تھا، جبکہ مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا والد ان کے ساتھ جب سفر پر روانہ ہوا تھا تو اس کے پاس بہت زیادہ مال تھا۔ امیر المؤمنین! میں نے اس مقدمے کو قاضی شریح کی خدمت میں بھی پیش کیا تھا، مگر انھوں نے ان لوگوں سے قسم لے کر انھیں چھوڑ دیا۔ میں ان کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہوا، آپ میری مدد فرمائیں تا کہ میرے والد کے قاتلوں کا پتا چل سکے۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقدمے پر غور و فکر کیا۔ پولیس اور دوسرے تاجروں کو بلانے کا حکم دیا۔ سپاہیوں کو ایک طرف بلا کر بتایا کہ ان کو لے جاؤ، مگر یہ اکٹھے نہ ہونے پائیں۔ ان سے علیحدہ علیحدہ تفتیش کرنی ہے۔ ایک دوسرے سے گفتگو یا سرگوشی کی اجازت نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے رجسٹرار کو بلایا اور ساتھ ان مجرموں میں سے ایک آدمی کو بھی طلب کیا۔ پھر اس سے پوچھنا شروع کیا: مجھے بتاؤ کہ مقدمہ دائر

کرنے والے اس نوجوان کا باپ تمھارے ساتھ کس دن نکلا تھا؟ کس کس مقام پر تم لوگ رکے تھے؟ تمھارا سفر کیسا تھا؟ نوجوان کا باپ کس مرض میں مبتلا ہو کر مرا؟ اس کے مرنے کا سبب کیا تھا؟ اس کے مال کا کیا ہوا؟ اس کے انتقال کے بعد غسل کس نے دیا اور کفن دفن کا بندوبست کیسے ہوا؟ اس کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟ کس جگہ اسے دفن کیا گیا؟ وغیرہ وغیرہ

یہ سارے سوالات اور اس ملزم تاجر کے جوابات رجسٹرار نے اپنی ڈائری میں لکھ لیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ آپ کے ساتھ حاضرین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ ادھر دیگر ملزموں نے جب تکبیر کی آواز سنی تو انھیں گمان ہوا کہ شاید ان کے ساتھی نے حقیقت کا اظہار کر دیا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے شخص کو پولیس کے حوالے کر دیا اور اس کے بعد دوسرے ملزم کو بلایا۔ اس سے بھی وہی سوالات کیے جو پہلے ملزم سے کیے تھے۔ اسی طرح تیسرے کو بلایا اور وہی سوالات کیے جو پہلے دو ملزموں سے کیے تھے۔

تینوں کے بیانات کو ملایا گیا تو ان میں تضاد تھا جس سے ان کا جرم ثابت ہوتا تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بری سازش کا علم ہو گیا۔ پھر آپ نے پہلے مجرم کو بلوایا اور اس سے کہا:

«يَا عَدُوَّ اللهِ! قَدْ عَرَفْتُ غَدْرَكَ وَ كِذْبَكَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ أَصْحَابِكَ، وَمَا يُنْجِيكَ مِنَ الْعُقُوبَةِ إِلاَّ الصِّدْقُ»

''اے اللہ کے دشمن! تمھارے ساتھیوں کے بیانات سننے کے بعد تیرا دھوکا اور جھوٹ مجھ پر واضح ہو گیا۔ اب تجھے سزا سے سچ کے سوا کوئی بھی حربہ نہیں بچا سکے گا۔''

یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قید خانے میں ڈلوا دیا۔ پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا

اور حاضرین نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ جب باقی دو مجرموں نے یہ امتحان کی گھڑیاں دیکھیں تو انھیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ ان کے ساتھی نے ان کے کرتوت کا اقرار کرلیا ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے مجرم کو بلوایا اور اسے بھی دھمکی دے کر پوچھا کہ تیرے ساتھی نے سچ سچ بتا دیا ہے، اب تو اگر سچ نہیں اگلتا تو پھر اپنے انجام کے بارے میں سوچ لے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سنتے ہی وہ کہنے لگا:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! وَاللهِ! لَقَدْ كُنْتُ كَارِهًا لِمَا صَنَعُوا»

''اے امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! میں نے ان لوگوں کے کرتوت کو ناپسند کیا تھا (مگر انھوں نے میری بات سُنی ان سُنی کر دی اور مذکورہ نوجوان کے باپ کو قتل کر دیا)۔''

اسی طرح ایک ایک کر کے جب تینوں مجرموں نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر مال کا تاوان ڈال دیا اور مقتول کا ان سے قصاص لیا گیا۔ (1)

---

(1) دیکھیے کتاب: الطرق الحكمية في السياسة الشرعية، لابن القيم (ص:65)

علی رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک عجیب وغریب مقدمہ عدالتِ فاروقی میں پیش ہوتا ہے۔ ایک انصاری نوجوان لڑکا کہتا ہے کہ جناب! میں فلاں عورت کا بیٹا ہوں، مگر وہ مجھے اپنا بیٹا ماننے سے انکاری ہے۔

سوال ہوا: تمھارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

جناب! میں اس کا ثبوت کیا پیش کر سکتا ہوں!

عورت سے پوچھا گیا: کیا معاملہ ہے؟

اس نے سرے سے انکار کیا کہ میری تو کبھی شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔

ادھر عورت نے چند گواہوں کو بھی امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کر دیا جنھوں نے یہ گواہی دی کہ اس عورت نے کبھی کسی سے شادی ہی نہیں کی ہے، پھر اس کا بچہ کہاں سے پیدا ہو گیا؟! یہ لڑکا جھوٹ بول کر خواہ مخواہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس عورت کا بیٹا ہے، یہ تو سراسر بہتان ہے!!

امیر المؤمنین نے یہ ساری باتیں سننے کے بعد اس نوجوان پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی دوران میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے اور اس مقدمے کے بارے میں پوچھنے لگے۔ لوگوں نے ساری داستان بتا دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقدمے سے متعلق سب لوگوں کو بلایا اور مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔

پھر عورت سے پوچھا: کیا یہ نوجوان تیرا بیٹا نہیں ہے؟

عورت نے جواب دیا: ہاں، یہ میرا بیٹا ہرگز نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوجوان سے کہا: جوان! تم بھی ویسے ہی انکار کر دو کہ یہ

عورت تمھاری ماں نہیں ہے، جیسا کہ اس نے تمھیں اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

نوجوان عرض کرنے لگا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے! یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں جبکہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ میری ماں ہے؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس عورت کو ماں کہنے سے انکار کر دو، اور میں آج سے تمھارا باپ اور میرے بیٹے حسن وحسین تمھارے بھائی ہوں گے۔

نوجوان نے عرض کی: ہاں، میں اس عورت کو اب اپنی ماں ماننے سے انکار کرتا ہوں۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت کے اولیا سے فرمایا:

«أَمْرِي فِي هٰذِهِ الْمَرْأَةِ جَائِزٌ؟»

''کیا اس عورت کے بارے میں میری بات مانی جائے گی؟''

اولیا نے عرض کی: ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ بلکہ ہمارے سلسلے میں بھی آپ جو حکم دیں گے ہم ماننے کو تیار ہیں۔

ان کی باتیں سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: اے قنبر! (قنبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام کا نام تھا) ان حاضرین کے سامنے تم گواہ رہو کہ میں نے اس اجنبی خاتون کی شادی اس نوجوان سے کر دی۔ تم جا کر درہموں کی تھیلی لاؤ۔

قنبر گیا اور تھیلی لا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رکھ دی۔ اس میں (480) چار سو اسی درہم تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عورت کو بطور مہر یہ درہم دیے اور نوجوان سے فرمایا:

«خُذْ بِيَدِ امْرَأَتِكَ وَلَا تَأْتِنَا إِلَّا وَعَلَيْكَ أَثَرُ الْعُرْسِ»

"اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو اور اس کے بعد ہمارے پاس اسی صورت میں حاضر ہونا جبکہ تمھارے اوپر عُرس (سہاگ رات) کے نشانات ہوں۔"

یہ کہہ کر جوں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، عورت کہنے لگی: اللہ اللہ، اے ابوالحسن! یہ نوجوان تو میرے حق میں جہنم کا ٹکڑا بن جائے گا۔ یہ تو، اللہ کی قسم، میرا بیٹا ہے۔ میں اب مان گئی اور آپ کے سامنے اقرار کرتی ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کیونکر تمھارا بیٹا ہوسکتا ہے جبکہ تم نے ابھی کچھ ہی لمحے پہلے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کیا تھا اور ساتھ گواہوں کو بھی پیش کیا تھا؟!

عورت کہنے لگی: دراصل بات یہ ہے کہ اس نوجوان کا باپ ایک حبشی تھا، میرے بھائیوں نے اس کے ساتھ میری شادی کر دی، اس سے مجھے حمل ٹھہر گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا باپ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے بعد جب میرا بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے فلاں قبیلے میں بھیج دیا۔ میرے اس بیٹے نے اسی قبیلے میں پرورش پائی، پھر میں نے اسے اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پوری داستان سن کر فرمایا: میں ابوالحسن ہوں، میں کسی اور کا باپ کیونکر بن سکتا ہوں؟! پھر آپ نے اس نوجوان کو اس عورت کے ساتھ بھیج دیا اور اس کا نسب بھی اس عورت کے ساتھ ثابت کر دیا۔ (1)

(1) دیکھیے: الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، لابن القیم رحمه الله (ص:62)

پاؤں پھیلانے والا ہاتھ نہیں پھیلا سکتا

سو برس پہلے کا قصہ ہوگا، شیخ سعید حلبی دمشق کی ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے اس دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی' اور وہ پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے' اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ استاذ پشت بہ قبلہ ہوتا ہے اور اس کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں' لہٰذا استاذ کا چہرہ دروازے کی طرف تھا' پشت قبلے کی طرف تھی اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔

اس وقت مصر کی خدیوی سلطنت کے بانی محمد علی پاشا کا بیٹا ابراہیم پاشا ملک بھر میں بڑا سفاک اور جلاد مشہور تھا۔ وہ شام کا گورنر تھا اور اس کی سفاکی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر عام تھے۔ اس کو خیال ہوا کہ میں حضرت سعید حلبی کا درس جا کر سنوں اور ملاقات کروں۔ وہ دروازے کی طرف سے آیا۔ سب کا خیال تھا کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو اس موقع پر اپنا پاؤں سمیٹ لیں گے، اتنی دیر میں کیا ہو جائے گا' لیکن انھوں نے بالکل کوئی جنبش نہیں کی۔ نہ درس موقوف کیا نہ پاؤں سمیٹا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے۔ ابراہیم پاؤں ہی کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔

ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم بالکل لرزاں و ترساں تھے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ کیا ہمارے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہو گی یا تذلیل ہو گی، مشکیں باندھ لی جائیں گی اور کہا جائے گا لے چلو۔

شہزادہ کھڑا رہا اور وہ دیر تک درس دیتے رہے' التفات بھی نہیں کیا اور پاؤں بھی نہیں سمیٹا' مگر اللہ جانے شیخ سعید کے فکر و نظر میں کیا اثر تھا کہ اس نے کچھ نہیں کہا، کوئی سرزنش نہیں کی' کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔

سننے والی بات جو ہے' وہ یہ کہ گورنر کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ایک توڑا غلام کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ شیخ کو میرا اسلام دینا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں۔

آپ جانتے ہیں انھوں نے جواب میں کیا کہا؟! یہ آب زر سے لکھنے والا جملہ تھا جو علم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انھوں نے کہا: اپنے بادشاہ کو سلام کہنا اور کہنا جو پاؤں پھیلاتا ہے' وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا' اپنا پاؤں پھیلا لے یا ہاتھ پھیلا لے' ایک ہی کام ہو سکتا ہے دنیا میں۔ جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے، میں اسی وقت سمجھتا تھا کہ اب میں ہاتھ نہیں پھیلا سکتا:

«إِنَّ الَّذِي يَمُدُّ رِجْلَهُ لَا يَمُدُّ يَدَهُ»

''پاؤں پھیلانے والا کبھی ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔''

انہی الفاظ کے ساتھ مؤرخ نے ان کو نقل کیا ہے۔(1)

---

(1) پا جا سراغ زندگی' از مولانا سید ابوالحسن ندوی۔

ایفائے عہد کا بے مثال واقعہ

ہرمزان (1) ایرانیوں کے ایک لشکر کا سردار تھا۔ ایک مرتبہ مغلوب ہو کر اس نے جزیہ دینا بھی قبول کیا تھا مگر پھر باغی ہو کر مقابلے پر آیا۔ آخر شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر اس حالت میں امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ تاج مرصع سر پر تھا، دیباج کی قبا زیب تن کیے ہوئے تھا، کمر سے مرصع تلوار آویزاں تھی اور بیش بہا زیورات سے آراستہ تھا۔ امیر المؤمنین اس وقت مسجد نبوی میں تن تنہا سوئے ہوئے تھے، آپ نے اپنی پگڑی کو تکیہ بنالیا تھا، ہاتھ میں کوڑا تھا۔

ہرمزان بحیثیت قیدی امیر المؤمنین کی خدمت میں لایا گیا تھا۔ آہستہ آہستہ لوگوں کا ازدحام ہوتا گیا۔ لوگوں کی کانا پھوسی سے امیر المؤمنین کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھتے ہی گویا ہوئے: یہ ہرمزان ہے؟

لوگوں نے بتایا: ہاں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا:

«أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ وَأَسْتَعِينُ بِاللهِ، الْحَمْدُ لِلهِ الَّذِي أَذَلَّ بِالإِسْلَامِ هٰذَا وَأَشْيَاعَهُ، يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ تَمَسَّكُوا بِهٰذَا الدِّينِ وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ نَبِيِّكُمْ وَلَا تَبْطِرَنَّكُمُ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا غَرَّارَةٌ»

''میں جہنم کی آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں اور اسی سے مدد کا خواستگار ہوں۔ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اسلام کے ذریعے سے اس (ہرمزان) کو اور اس کے گروہوں کو ذلیل و رسوا کیا۔ اے مسلمانو! تم اس دین کو مضبوطی سے تھامے رہو اور اپنے نبی کی ہدایت کو گلے سے لگائے رکھو، دنیا تمھیں

ہر گز مغرور نہ بنانے پائے، کیونکہ یہ دنیا سراسر دھوکا ہی دھوکا ہے۔''

ہرمزان کو گرفتار کر کے لانے والے وفد نے کہا: امیر المؤمنین! یہ اہواز کا حاکم ہے، آپ اس سے تبادلۂ خیال کریں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: جب تک یہ اپنے اس لباس میں رہے گا میں اس سے تبادلۂ خیال نہیں کر سکتا، چنانچہ ہرمزان نے اپنے جسم سے زرق برق لباس اتارا اور معمولی لباس میں آ گیا۔

امیر المؤمنین نے پوچھا:

«مَا عُذْرُكَ وَمَا حُجَّتُكَ فِي انْتِقَاضِكَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ؟»

''بار بار تیری بدعہدی کا تیرے پاس کیا عذر ہے؟''

ہرمزان گویا ہوا:

«أَخَافُ أَنْ تَقْتُلَنِي قَبْلَ أَنْ أُخْبِرَكَ»

''مجھے خوف ہے کہیں آپ میری معذرت سُنے بغیر ہی مجھے قتل نہ کر دیں۔''

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ڈرو مت، تمھاری معذرت ضرور سُنی جائے گی۔

پھر ہرمزان نے پانی مانگا۔ پانی آیا تو اس نے پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا: میں ڈرتا ہوں کہیں آپ مجھے پانی پینے کی حالت ہی میں قتل نہ کر دیں۔

امیر المؤمنین نے فرمایا: تم خوف نہ کھاؤ۔ جب تک پانی نہ پی لو گے، تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

ہرمزان نے یہ سُنتے ہی پیالہ ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اس کا پانی گرا دیا اور کہا: اس شرط کے مطابق اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ہرمزان کی اس چالاکی اور فریب دہی پر بہت غصہ آیا، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ درمیان میں بول اٹھے اور کہا: امیر المؤمنین! یہ سچ کہتا ہے کیونکہ

آپ نے فرمایا ہے کہ جب تک پورا حال نہ کہہ لو کسی قسم کا خوف نہ کرو اور جب تک پانی نہ پی لو کسی قسم کے خطرے میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کلام کی اور لوگوں نے بھی تائید کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرمزان تو نے مجھے دھوکا دیا ہے لیکن میں تجھے دھوکا نہ دوں گا۔ اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ ایفائے عہد اور حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی اور وہ مدینہ منورہ میں رہنے لگا۔ (2)

---

(1) ایرانیوں کا نامور سردار ہرمزان قادسیہ کے میدانِ جنگ سے فرار ہو کر اہواز چلا گیا تھا۔ اسلامی فوج نے اسے دو بار شکست دی اور دونوں بار ادائے جزیہ کی شرط پر اس نے صلح کر لی۔ تیسری بار اس نے رام ہرمز میں شکست کھائی اور تستر پہنچ کر قلعہ بند ہو گیا۔ اس اثنا میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لشکر نے تستر شہر پر قبضہ کر لیا تو ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا جائے، چنانچہ اس نے زرق برق لباس پہنا اور بڑی شان سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر خلیفۂ ثانی کے رعب وجلال نے اس کی سٹی گم کر دی۔ پھر پانی پینے کے حیلے سے اس نے امان حاصل کی اور عمر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی ج 1 ص 399-401)

(2) یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں قدرے مختلف الفاظ میں موجود ہے البتہ ہم نے زیادہ تر محمد رضا کی تالیف ''الفاروق عمر بن الخطاب ثانی الخلفاء الراشدین'' سے استفادہ کیا ہے۔ دیکھیے: ص 241۔

عیسائیوں کے جذبات کا پاس ولحاظ

جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بطریق ''سفرونیس'' کے ہمراہ بیت المقدس (یروشلم) میں داخل ہوئے، کل زادِ راہ ایک سرخ اونٹ تھا جس پر ایک تھیلی میں بھنے ہوئے جو اور دوسری میں کھجوریں، ایک پانی کا مشکیزہ اور ایک لکڑی کا برتن تھا۔ ایک غلام مدینہ سے ساتھ آیا تھا۔ یروشلم تک خلیفہ اور غلام اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

فاروق اعظم اور بطریق (پادری) بیت المقدس میں تھے کہ مؤذن نے اذان دی۔ پادری نے اصرار کیا کہ نماز ان کے گرجے ہی میں ادا کرلیں لیکن خلیفہ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مبادا آئندہ مسلمان میری نماز کو وجہ جواز بنا کر رفتہ رفتہ اس پر اپنا قبضہ جمالیں۔ مدعا یہ تھا کہ اغیار کے مذہبی جذبات اور ان کے معبد کی حفاظت کی جائے، اس لیے خلیفۂ اسلام نے گرجا کے باہر نماز پڑھی۔ (1)

(1) مشاہیر اسلام صفحہ 5۔

شرائط کی پابندی

عبدالرحمٰن بن غنم (1) کا بیان ہے کہ ایک روز میں امیرالمؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس طرح بیٹھا تھا کہ میرے گھٹنے ان کے گھٹنے سے لگے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

امیر المؤمنین! میں نے اِس عورت سے شادی کی ہے، شادی کے وقت میں نے اس کی شرط قبول کی تھی کہ میں اسے اسی کے گھر (میکے) میں رکھوں گا، اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا۔ مگر اب جبکہ میرے گھریلو حالات اس کے گھر کے حالات سے بہتر ہیں تو کیا میں اسے اپنے گھر لے جا سکتا ہوں (جبکہ یہ انکار کر رہی ہے)؟

امیر المؤمنین نے جواب دیا: اس عورت سے تم نے جس شرط کی بنیاد پر شادی کی تھی، اسے پورا کرنا تم پر لازم ہے۔

وہ کہنے لگا:

«هَلَكَتِ الرِّجَالُ إِذًا، لاَ تَشَاءُ الْمَرْأَةُ أَنْ تُطَلِّقَ زَوْجَهَا إِلاَّ طَلَّقَتْ»

"(اگر فیصلہ یہی ہے) تب تو مرد لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑنا نہیں چاہے گی مگر (جب اپنی شرط پر بضد ہو جائے گی تو نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے شوہر کو) چھوڑ دے گی۔"

امیر المؤمنین نے فرمایا:

«الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ عِنْدَ مَقَاطِعِ حُقُوقِهِمْ»

"مسلمان اپنے حقوق کے ختم ہونے پر اپنی عائد کردہ شرائط ہی کے پابند

ہوتے ہیں۔"(2)

(1) عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کے والد صحابی تھے جنھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی جبکہ لیث اور ابن لہیعہ کے نزدیک عبدالرحمٰن بھی صحابی تھے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن غنم کو فلسطین بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ وہ رأس التابعین مشہور ہوئے اور 78ھ میں وفات پائی۔
(سیر اعلام النبلاء۔ ج4ص45-46)

(2) أقضية الخلفاء الراشدين (1/64)، مصنف عبد الرزاق (6/227)، مصنف ابن ابی شیبة۔(3/499)

سلطان محمود کا بے مثال انصاف

سلطان محمود [1] کا ایک بھانجا تھا۔اس کا ایک شادی شدہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلق تھا۔ اس کے خاوند نے بہت داد فریاد کی لیکن کسی نے نہ سنی۔ قاضی، وزیر اور امیر کوئی بھی شہزادے کے مقابلے میں اس غریب کی نہ سنتا تھا۔ آخر وہ شخص جرأت و ہمت کر کے خود سلطان تک پہنچا اور نہایت دلیری سے اپنے دکھ درد کی تمام داستان بیان کی۔ سلطان نے اس کو اطمینان دلایا اور کہا:

''میں تمھارا انصاف کروں گا مگر اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کرو اور وہ پھر تمھارے مکان پر آئے تو سیدھے میرے پاس پہنچو۔''

بادشاہ نے دربانوں کو بھی تاکید کر دی کہ جب یہ شخص آئے تو فوراً مجھے خبر کر دو، خواہ میں کسی حال میں ہوں۔

غرض جب شہزادہ حسب عادت گیا اور اس شخص کو اس کے مکان سے باہر نکال کر اس کی بیوی کے پاس جا بیٹھا تو اس نے سلطان کو خبر کر دی۔ سلطان خود آیا اور سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے بھانجے کا سر تلوار کے ایک ہی وار سے الگ کر دیا اور تھوڑے وقفے کے بعد پانی مانگا اور دو نفل ادا کیے۔

---

(1) سلطان محمود غزنوی 387ھ/ 998ء میں اپنے باپ امیر ناصر الدین سبکتگین کی وفات پر غزنی میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت میں ماوراء النہر (ترکستان)، خراسان، افغانستان اور موجودہ پاکستان شامل تھے۔ محمود نے پنجاب کے راجہ جے پال اور اس کے بعد اس کے بیٹے انند پال کو شکست دی، نیز کانگڑہ، متھرا، قنوج اور سومنات پر یلغار کی اور تمام ہندو راجاؤں کو ہرایا۔ 1021ء میں پنجاب کو سلطنت غزنوی میں مدغم کر لیا۔ محمود نے 1030ء میں وفات پائی۔

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: ج1ص 79-80)

بادشاہ کا بہنوئی قید خانے میں

سیف الدین نامی ایک عرب امیر ہندوستان کے ایک بادشاہ کے پاس آیا۔ اس کی نہ صرف مہمان نوازی اور خاطر داری کی گئی؛ بلکہ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے اپنی بہن فیروزہ کی شادی اس غریب الدیار امیر کے ساتھ کر دی۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی اور بادشاہ نے اسے جاگیر میں گجرات اور کھمبایت (جونا گڑھ اور رن کچھ وغیرہ) کے علاقے دیے۔ لیکن اس بدو نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ کی۔ بیس دن کے بعد جب محل شاہی میں جانے لگا تو بلا اطلاع اندر جانے کا قصد کیا کہ میں بادشاہ کا بہنوئی ہوں، میرے لیے ادب آداب اور اطلاع وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ دربان نے منع کیا کہ بلا اجازت آپ اندر نہیں جا سکتے مگر امیر نے اس کو جھڑک کر اندر گھسنا چاہا۔ زبردستی اندر جانے لگا تو دربان نے سر کے بال پکڑ کے باہر گھسیٹا۔ امیر نے دربان کو زور سے لاٹھی رسید کی حتیٰ کہ خون نکل آیا۔ دربان اسی عالم میں بادشاہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ تھوڑی دیر تک عالم سکوت میں رہا اور کہا یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ بادشاہ بھی معاف نہیں کر سکتا۔ قاضی کے پاس جاؤ اور اپنا مقدمہ پیش کرو۔ قاضی کمال الدین شہر کے رئیس القضاۃ تھے۔ ان کے پاس مقدمہ گیا۔ انھوں نے ساری کیفیت سنی اور چونکہ امیر سیف الدین کو اپنے فعل سے انکار نہ تھا، اس لیے اسے رات بھر قید رکھا۔ شہزادی فیروزہ نے، جو امیر کی بیوی اور بادشاہ کی بہن تھی، بھائی کے خوف سے قید خانے میں بچھونا اور کھانا تک نہ بھیجا۔ دوسرے دن دوپہر کو قاضی نے اس کی رہائی کا حکم دیا۔ (1)

(1) تاریخ دہلی ص:172

اس عورت کو کس نے قتل کیا ہے؟

حنظلہ الکاتب رضی اللہ عنہ (1) بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ ہمارا گزر ایک مقتول عورت کے پاس سے ہوا۔ وہاں لوگوں کا مجمع تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا:

«مَا كَانَتْ هٰذِهِ تُقَاتِلُ فِيمَنْ يُقَاتِلُ»

''مقاتلین کے ساتھ عورت تو قتال نہیں کر رہی تھی۔''

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیادت کے لیے ایک رہنما اصول وضع فرمایا اور اس قسم کے معاملات میں اپنا فیصلہ اور حکم جاری فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین سے فرمایا کہ جب یہ عورت تم سے لڑنے والوں کے ساتھ مل کر تمھارے خلاف نہیں لڑ رہی تھی تو اسے قتل کیوں کیا گیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر روانہ کیا:

«لَا تَقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَلَا عَسِيفًا»

''بچے اور مزدور ہرگز قتل نہ کیے جائیں۔''(2)

مراسیل ابوداود میں عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ طائف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قتل کر دی گئی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ هٰذِهِ؟»

''اس عورت کو کس نے قتل کیا ہے؟''

ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے قتل کیا ہے۔ دراصل میں نے غنیمت کے طور پر اسے پایا تھا اور اسے اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا۔ مگر جب اس نے ہماری شکست دیکھی تو میری تلوار کی طرف لپکی تاکہ مجھے قتل کر دے؛ چنانچہ میں نے اس کی حرکت کو بھانپ لیا اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔

رسول اکرم ﷺ نے اس کی بات سن کر اس پر کوئی نکیر نہیں کی اور مقتولہ کو مٹی سے ڈھانپنے کا حکم دیا۔ (3)

معلوم ہوا کہ عورت اگر کسی دشمنانہ کاروائی کا حصہ بنے تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔

---

(1) حنظلہ بن ربیع تمیمی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی تھے۔ انھیں حنظلہ اُسَیدی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اسَیّد بن عمرو بن تمیم ان کے جدّ امجد تھے۔ نبی ﷺ نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اہل طائف کی طرف بھیجا تھا۔ بعد میں حنظلہ رضی اللہ عنہ قرقیسیا (عراق) چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

(اسد الغابہ۔ ج 2 ص 84-85)

(2) أقضية رسول الله ﷺ (2/803)، ابن ماجہ (2/948)، احمد (4/178)، ابن حزم (7/742)، ابن حبان (7/141)

(3) مراسیل ابی داود (36-37)

عادل امیر نے ہجو گو کو معاف کر دیا

عبداللہ [1] اپنے بھائی المنذر خلف محمد کے بعد 888ء میں اندلس کا امیر بنا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اکثر لوگوں کو رہا کر دیا، خصوصاً سیاسی قیدیوں پر بہت مہربانی کی۔ ان کی جائدادیں بھی انھیں واپس کر دیں۔

شیخ سلیمان بن الباغہ نے ایک مرتبہ امیر عبداللہ سے بغاوت کی تھی لیکن سلطان نے اپنی فطری فیاضی کے تقاضے سے اس کا قصور معاف کر دیا۔ 900ء میں سلیمان نے امیر عبداللہ کی ایک ہجو لکھی جو سارے ملک میں پھیل گئی۔ اس ہجو میں سلطان کو خچر اور وزرا کو خچر بان بتایا گیا تھا۔

اب دیکھیے ایک راست باز، عادل اور شفیق حاکم نے اپنی ہجو لکھنے والے کے خلاف کیا فیصلہ سنایا۔ حکمرانِ وقت نے سلیمان کو بلوایا اور اس سے کہا:

''سلیمان! میری عنایات خراب زمین پر پڑیں اس لیے ضائع ہو گئیں۔ میں نہ خواست گارِ تعریف ہوں نہ ہجو کے قابل، کیونکہ یہ دونوں باتیں میرے نزدیک یکساں ہیں۔ بغاوت بہت بڑا جرم ہے لیکن میں نے تمھیں معاف کر دیا۔ گو اس معافی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا لیکن میں انتقام پر درگزر کو ترجیح دیتا ہوں۔ میری ہجو کے اشعار میرے سامنے پڑھو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایک شعر کے صلے میں ایک ایک ہزار روپیہ دوں گا۔ خچر تو پھر بھی ایک کار آمد جانور ہے۔ تو مجھ پر جس قدر بڑا الزام لگاتا میں اسی قدر زیادہ اپنی عنایات کا بوجھ تم پر ڈالتا۔''

سلیمان امیر کے قدموں پر گر پڑا اور زار وقطار رو رو کر معافی مانگنے لگا۔ امیر نے اسے معاف کر دیا اور پھر وہ تادمِ مرگ وفادار رہا۔ [2]

(1) امیر عبداللہ بن محمد اپنے بھائی منذر کی وفات پر 275ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے 25 برس حکومت کی اور اس کا بیشتر وقت بغاوتیں فرو کرنے میں گزرا۔ اس کے گیارہ بیٹوں میں سے مطرف اور محمد بڑے تھے۔ محمد بوجوہ محل سرائے میں قید تھا۔ باپ کی غیر موجودگی میں مطرف نے محمد کو قتل کرا دیا، پھر وزیر السلطنت عبدالملک کو مروا دیا۔ امیر عبداللہ نے محمد اور عبدالملک کے قصاص میں مطرف کو قتل کرا دیا۔ مقتول محمد بن عبداللہ کا بیٹا عبدالرحمٰن اپنے دادا کا جانشین بنا جو خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر کے نام سے مشہور ہوا۔ (''تاریخ اسلام'' از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج 2 ص 144-149)

(2) دیکھیے: ناقابل فراموش واقعات۔ ص 233 (معمولی تصرف کے ساتھ)

وفاداری اور بے وفائی کا انجام

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ اپنے نوکروں کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک بچہ نظر آیا۔ بادشاہ کو بچہ بڑا پیارا لگا۔ حکم دیا کہ اسے میرے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے، اس کی تربیت کی جائے، چنانچہ وہ بچہ شاہی نگرانی میں پلنے لگا۔

گھر والوں کو بھی یہ بچہ بڑا محبوب تھا۔ اس کا نام احمد یتیم رکھا گیا۔ بچہ بڑا ذہین وفطین نکلا۔ پڑھائی اور فرمانبرداری میں یکتا تھا۔ جب بادشاہ کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلوایا اور کہا کہ میرے مرنے کے بعد اس بچے کی خوب دیکھ بھال کرنا، اس کا خیال رکھنا اور اسے کسی بھی محرومی کا شکار نہ ہونے دینا۔

اپنے والد کی وفات کے بعد بیٹے نے والد کی وصیت پر پوری طرح عمل کیا۔ احمد یتیم کو اور زیادہ اہمیت دی۔ اس کی پڑھائی لکھائی کے لیے بطور خاص استاد مقرر کیا جس سے احمد یتیم کی صلاحیتوں میں اور اضافہ ہوا۔ احمد خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ بتدریج ترقی کی منزلیں طے کرتا گیا۔ نئے بادشاہ کو اس پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ اس نے اسے اپنے خاص خادموں میں شامل کر لیا اور تمام شخصی اور ذاتی معاملات میں اس سے مشورہ کرنے لگا۔ کچھ عرصہ گزرا۔ احمد یتیم کی کارکردگی اور بہتر نظر آئی تو اسے محل کے تمام نوکروں کا نگران مقرر کر دیا۔ اب احمد یتیم تمام محل کے نوکروں کا ذمہ دار تھا اور آزادی سے محل کے کسی بھی حصے میں جا سکتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے احمد سے کہا: میرے خاص کمرے سے فلاں چیز لے کر آؤ۔ احمد جب اس کمرے میں گیا تو وہاں بادشاہ کی خاص لونڈی کو ایک نوکر کے ساتھ قابل اعتراض

حالت میں دیکھا۔ فسق و فجور میں مبتلا اس لونڈی نے احمد کی منت سماجت کی کہ اس پر رحم کرے اور اس کی پردہ پوشی کرے۔ لونڈی خوبصورت تھی۔ وہ اسے ورغلانے لگی کہ میں تمھاری ہر قسم کی خدمت سرانجام دینے کو تیار ہوں۔ احمد نے کہا: معاذ اللہ! تم کس قسم کی حرکتیں کر رہی ہو۔ میں اپنے امیر کی خیانت کس طرح کر سکتا ہوں۔ اس نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا ہے۔ مجھے فرش سے عرش تک لے گیا ہے۔ یہ کام ذلیل اور گندے لوگوں کا ہوتا ہے۔ اس نے لونڈی کو نصیحتیں کیں اور توبہ و استغفار کی تلقین کر کے وہاں سے رخصت ہوا اور اسے یقین دلایا کہ فکر نہ کرو، میں تمھاری پردہ پوشی کروں گا۔

ادھر اس لونڈی کو مسلسل فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں احمد میرا پردہ چاک نہ کر دے۔ شام کے وقت حسب دستور جب امیر اندر آیا تو اس نے روتے ہوئے اپنے کپڑوں کو چاک کر لیا اور چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے امیر کے پاس پہنچ گئی۔ امیر اس وقت اکیلا تھا۔ اپنی خاص لونڈی کو روتے دیکھا تو کہنے لگا: تمھیں کس نے مارا ہے اور کیوں رو رہی ہو؟

لونڈی نے مکر و فریب کے ساتھ اداکاری کرتے ہوئے کہا: احمد یتیم نے میرے ساتھ دست درازی کی کوشش کی ہے۔ میں بمشکل اپنی جان بچا کر بھاگی ہوں، ورنہ وہ تو زبردستی منہ کالا کرنا چاہتا تھا۔

امیر نے سنا تو غصے سے بے قابو ہو گیا۔ بولا: ایسے شخص کی سزا موت ہے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہیے۔ رات ہو چکی تھی، لہٰذا اس نے اپنے ارادے کو صبح تک ملتوی کرنا مناسب سمجھا۔ ادھر احمد محل میں بے حد مقبول تھا۔ سب لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ مصلحت کے خلاف تھا کہ اسے سرعام قتل کروایا جاتا۔ اس سے محل

میں خواہ مخواہ چہ میگوئیاں ہوتیں۔ امیر نے سوچا کہ اسے خفیہ طور پر قتل کروا دیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو اس کے جرم کا پتہ چلے نہ قتل کا۔ خیر امیر نے خود ہی منصوبہ بندی کی۔ اس نے اپنے خاص آدمی کو بلوایا اور اس سے کہا: میں جس شخص کے ہاتھ ایک تھال بھجواؤں، اس کو قتل کر کے اسی تھال میں اس کا سر رکھ کر اسے کپڑے میں لپیٹ دینا اور پھر میرے پاس لے آنا۔ خادم خاص نے حکم کی تعمیل میں سر ہلا دیا۔

چند دن گزرے، امیر نے احمد یتیم کو بلایا اور کہا: اسٹور میں جاؤ، وہاں سے تھال لے کر فلاں شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ مجھے امیر نے بھیجا ہے اور جو وہ دے اسے لے کر آؤ۔

احمد یتیم اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں تھال لے کر جلاد کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اسے بعض نوکر ملے۔ ان کا آپس میں جھگڑا ہوا تھا۔ انھوں نے اس سے فیصلہ کرنے کی درخواست کی۔ اس نے کہا کہ میں امیر کے کام جا رہا ہوں، واپسی پر فیصلہ کر دوں گا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کا ابھی فیصلہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کام کے لیے ہم کسی اور نوکر کو بھجوا دیتے ہیں۔ جب وہ تھال لے کر آئے تو آپ اسے امیر کے پاس لے جائیں۔ بات معقول تھی۔ انھوں نے ایک نوکر کو اشارہ کیا کہ وہ تھال لے کر فلاں شخص کے پاس جائے اور وہ جو چیز دے وہ واپس یہاں لے آئے۔ اتفاق دیکھیے کہ یہ وہی شخص تھا جو لونڈی کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہوا تھا، چنانچہ وہ تھال لے کر اس خادم خاص کے پاس چلا گیا۔

اس خادم خاص نے قتل کرنے کے لیے خاص جگہ کا انتخاب کیا ہوا تھا تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اس نے اس نوکر کو ساتھ لیا اور وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اس کی گردن ماری اور سر تھال میں رکھ کر خوب ڈھانپا اور امیر کے پاس لے آیا۔

خادم خاص اس تھال کو لے کر حاضر ہوا۔ امیر نے تھال سے کپڑا ہٹایا تو وہاں احمد یتیم کے سر کے بجائے کسی اور نوکر کا سر تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ اس نے پوچھا: احمد یتیم کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ وہ فلاں جگہ ہے۔ امیر نے احمد یتیم کو بلانے کا حکم دیا۔ جب احمد یتیم حاضر ہوا تو پوچھا: میں نے تمھیں ایک کام دے کر بھیجا تھا اور کہا تھا کہ تھال خود لے کر جاؤ، تم خود کیوں نہیں گئے؟

احمد یتیم جو تمام حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے نوکروں کے درمیان جھگڑے اور پھر ان کے درمیان صلح کا ذکر کیا کہ میں وہاں مشغول تھا۔ اچانک امیر کو ایک خیال آیا اور اس نے اس خادم کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم اسے اور اس کے گناہ کو جانتے ہو؟ احمد کہنے لگا: ہاں، اس کے فلاں لونڈی کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے اور اس نے مجھے اللہ کا واسطہ دے کر چپ کرا دیا تھا کہ میں اس کی پردہ داری کروں۔

امیر کو جب سارے واقعے کا علم ہوا تو اس نے لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور احمد کو مزید اختیارات عطا کیے اور اس کے لیے اس کے دل میں محبت اور عزت و احترام مزید بڑھ گیا۔ یہ تھا انجام ایک وفادار کی وفا کا اور ایک خائن کی خیانت کا۔ بلاشبہ اللہ رب العزت کا فرمان حق اور سچ ہے:

﴿ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ﴾ [فاطر 43]

”اور بری تدبیر کا وبال اس تدبیر والے ہی پر پڑتا ہے۔“

آخری فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے

یزید بن عبدالملک [1] کے پاس ایک باغی کو لایا گیا۔ اس نے اس کے خلاف الزامات سنے تو اسے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ادھر باغی کے منہ سے بے اختیار نکلا:

«عَسَى فَرَجٌ يَأْتِي بِهِ اللهُ، أَنَّ لَهُ كُلَّ يَوْمٍ فِي خَلِيقَتِهِ أَمْرٌ»

''عنقریب اللہ تعالیٰ میری رہائی کے اسباب مہیا کرے گا کیونکہ ہر روز اس کا اپنی مخلوق کے بارے میں حکم ہوتا ہے۔''

یزید کہنے لگا:

«وَاللهِ لَأَضْرِبَنَّ عُنُقَكَ، اقْتُلُوهُ»

''اللہ کی قسم! میں لازماً تمھاری گردن اتار دوں گا۔ جاؤ اس کو قتل کر دو''۔

سپاہیوں نے اسے قتل کرنے کے لیے سامان اکٹھا کرنا شروع کیا۔ اسے قتل کرنے ہی لگے تھے کہ تابعی بزرگ ہیثم بن اسود نخعی داخل ہوئے۔ یہ کوفہ کے اشراف میں سے تھے، نامور خطیب اور بزرگ شاعر اور ثقہ راوی تھے۔

یزید بن عبدالملک ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ انھوں نے جب اس باغی کو دیکھا تو کہنے لگے:

امیر المؤمنین! اس مجرم کو مجھے بخش دیں۔ یزید نے ان کی طرف دیکھا اور کہا:

«هُوَ لَكَ» یعنی یہ آپ کا ہو گیا۔

اب باغی وہاں سے نکلا اور اس کی زبان پر یہ کلمات تھے:

«يَأْبَى عَلَى اللهِ، فَأَبَى اللهُ أَنْ يَقْتُلَهُ»

''خلیفہ نے اللہ کو چیلنج کیا اور ایک فرد کو قتل کرنے کی قسم کھائی مگر اللہ نے نہ چاہا

کہ اسے قتل کیا جائے۔"

(1) اموی خلیفہ یزید ثانی (720ء تا 724ء) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد خلافت سنبھالی۔ وہ سودن عمر بن عبدالعزیز کے نقشِ قدم پر چلا اور اس کے بعد پھر شاہانہ اطوار اپنا لیے۔ اس کے عہد میں گورنر اندلس سمح بن مالک خولانی نے فرانس پر یلغار کی مگر وہ تولوز (طلوشہ) کے سامنے ڈیوک یودو سے جنگ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خلیفہ یزید کا جانشین اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک بنا۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ج1ص 14)

کھانا، آخری خواہش!

نازوک نامی بادشاہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا۔ اس کو قتل کا حکم ہو چکا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی گردن ماری جانے والی تھی۔ اس سے پوچھا گیا: تمھاری کوئی آخری خواہش ہے؟

کہنے لگا: پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا جائے۔

چنانچہ حکم ہوا کہ اس کے لیے کھانا لایا جائے۔ اب وہ کھانا کھا رہا ہے اور ساتھ ساتھ ہنستا بھی جا رہا ہے۔

سپاہیوں نے اس سے کہا:

بڑے عجیب آدمی ہو، تمھیں تھوڑی دیر بعد قتل کر دیا جائے گا اور تم ہنس رہے ہو؟

کہنے لگا: وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔

«مِنَ السَّاعَةِ إِلَى السَّاعَةِ فَرَجٌ»

”گھڑی بھر کے اندر میری رہائی بھی ممکن ہے۔“

ابھی اس نے یہ بات کہی تھی کہ شور اٹھا۔ لوگوں نے بتایا کہ بادشاہ وفات پا گیا ہے اور اس کے بعد اس شخص کو آزاد کر دیا گیا۔

اس قاضی کے لیے ہلاکت ہے!

یوسف کوفی کہتے ہیں کہ میں نے دوران طواف ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دعا کر رہا ہے:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَمَا أَرَاكَ تَفْعَلُ»

''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے، مگر لگتا نہیں ہے کہ تو مجھے معاف کرے گا۔''

میں اس کے قریب ہوا اور اس سے کہا:

«مَا أَعْجَبَ يَأْسُكَ مِنْ عَفْوِ اللهِ!»

''اللہ کی بخشش اور معافی سے ناامید ہوتے ہو، تم پر تعجب ہے؟!''

کہنے لگا: میں ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں، اس لیے مجھے اپنی معافی کی امید نہیں ہے۔

میں نے اس سے پوچھا: مجھے بھی بتاؤ۔

اس نے اپنا قصہ کچھ اس طرح بیان کیا:

میں یحییٰ بن محمد کے ساتھ موصل کی بغاوت کو فرو کرنے والوں میں شامل تھا۔ جمعے کا دن تھا۔ ہم نے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اب ایک منادی کرنے والے نے حاکم کی طرف سے اعلان کیا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور اطاعت قبول کرے اس کو امان دی جاتی ہے۔ اس کے گھر اور اس میں جو کچھ بھی ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے، لہٰذا کوئی شخص گھر سے نہ نکلے۔

بے شمار لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے، میں اس وقت نوجوان

تھا۔ اقتدار اور قوت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ میں نے ایک گھر کا انتخاب کیا اور تلوار لہراتا ہوا اس میں جا گھسا۔ اس گھر میں میاں بیوی اور ان کے دو بیٹے تھے۔ خاوند سامنے آیا۔ اس نے مجھ سے سوال و جواب کرنے چاہے تو میں نے دفعتاً اسے قتل کر دیا۔

اس کی بیوی چیخنے اور چلانے لگی اور مجھ سے امن کی طالب ہوئی۔ میں نے کہا:

گھر میں جو کچھ نقدی اور سونا چاندی ہے میرے حوالے کر دو، میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ گھرانہ میری نظر میں خاصا امیر کبیر نظر آتا تھا۔ مجھے یہاں سے خاصی دولت ہاتھ لگنے کی امید تھی۔ وہ عورت اندر گئی اور سات دینار لے کر آ گئی۔

میں نے اس سے کہا:

یہ بہت تھوڑے ہیں، اور لے کر آؤ۔

عورت نے کہا:

گھر میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جو میں تمھیں دوں۔

میں نے تلوار اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور کہا:

بدبخت! فوراً اندر سے مزید مال لے کر آؤ ورنہ میں تمھارے ایک بیٹے کو اس کے باپ کے پاس پہنچا دوں گا۔

عورت نے ہاتھ جوڑ دیے اور لگی قسمیں کھانے کہ گھر میں صرف یہی کچھ ہے۔ میں نے اس کا اعتبار نہ کیا۔ اس دوران میں اس کا بیٹا آگے بڑھا تو میں نے اس پر تلوار کا وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ اب میں نے دوبارہ اس عورت سے کہا:

اب بھی تمھارے پاس وقت ہے۔ جو کچھ تمھارے پاس ہے لے آؤ ورنہ تمھارے دوسرے بیٹے کو بھی قتل کر دوں گا۔ جب اس عورت نے میری جفا کو دیکھا تو کہنے لگی: مجھ پر رحم کھاؤ۔ میرے پاس اپنے خاوند کا عطا کردہ ایک عطیہ ہے، میں

وہ لے کر آتی ہوں۔

چنانچہ وہ اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد سونے کی ایک زرہ لے کر آ گئی۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت زرہ نہیں دیکھی تھی۔ میں نے اسے ہاتھوں میں لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس زرہ پر سونے کے پانی سے یہ لکھا ہوا تھا:

«إِذَا جَارَ الأَمِيرُ وَحَاجِبَاهُ وَقَاضِي الأَرْضِ أَسْرَفَ فِي الْقَضَاءِ
فَوَيلٌ ثُمَّ وَيْلٌ ثُمَّ وَيْلٌ لِقَاضِي الأَرْضِ مِنْ قَاضِي السَّمَاءِ»

''جب امیر اور اس کے حاشیہ بردار ظلم وستم کرنے لگ جائیں اور دنیا کے قاضی اپنے فیصلوں میں زیادتی کرنے لگ جائیں تو پھر اس دنیا کے قاضی کے لیے آسمانوں کے حاکم اور قاضی کی طرف سے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔''

یہ شعر پڑھنے کے بعد میرے ہاتھوں سے تلوار گر پڑی' میرے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا اور میں نہایت شرمندہ اور ذلیل وخوار ہو کر وہاں سے نکل آیا۔

مشیت الٰہی کے مطابق آزادی کا پروانہ!

جذوة المقتبس نامی کتاب میں حمیدی ذکر کرتے ہیں کہ امام ابن حزم [1] کے والد ابو عمر احمد، منصور [2] کے دور میں وزیر تھے۔ وہ ایک مرتبہ منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ منصور کے سامنے درخواستیں پیش کرتے جاتے تھے اور وہ ان کو پڑھ کر حکم لکھتا جاتا تھا۔ ایک ماں کی درخواست آئی جس میں اس کے قیدی بیٹے کی رہائی کی درخواست کی گئی تھی۔

منصور کے نزدیک یہ شخص بہت بڑا مجرم تھا، چنانچہ اس نے اسے اپنے قریب ہی قید کر رکھا تھا۔ جب اس کے پاس درخواست آئی تو اسے مجرم یاد آ گیا۔ اس کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا۔ اس نے وزیر سے کہا: «ذَكَّرْتَنِي وَاللهِ بِهِ»

''اللہ کی قسم! تم نے مجھے اس شخص کو یاد دلا دیا ہے۔''

اس نے قلم پکڑا اور اس کی رحم کی درخواست پر لکھنا چاہا: يُصْلَبُ یعنی اسے پھانسی پر چڑھا دیا جائے مگر قلم نے اس پر لکھا يُطْلَقُ یعنی آزاد کر دیا جائے۔

منصور نے لکھ کر کاغذ وزیر کی طرف بڑھا دیا۔ اب وزیر نے قلم سنبھالا اور پولیس آفیسر کو لکھا کہ منصور کے حکم کے مطابق اس شخص کو آزاد کر دیا جائے۔

منصور نے وزیر سے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ اس نے کہا: فلاں شخص کو آزاد کر دیا جائے۔ منصور خاصا چیں بہ جبیں ہوا اور کہنے لگا: «مَنْ أَمَرَ بِهٰذَا؟»

''اس کا حکم کس نے دیا ہے؟''

وزیر نے ورق اس کی طرف بڑھا دیا۔ کہنے لگا: «وَهِمْتُ وَاللهِ لَيُصَلَّبَنَّ»

''اللہ کی قسم! مجھے لکھتے وقت وہم ہو گیا ہوگا، اسے تو پھانسی دینی ہے۔''

اس نے اپنے لکھے پر قلم پھیرا اور چاہا کہ اس پر لکھے: ''یُصلَبُ''۔ مگر اتفاق سے اس نے پھر لکھا: ''یُطلَقُ''۔ وزیر نے دوبارہ ورق پکڑا اور اس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد پولیس کی طرف آزاد کرنے کا حکم لکھنے ہی لگا تھا کہ منصور کی نظر اس ورق پر پڑ گئی جس پر آزادی کا پروانہ لکھا تھا۔ اب تو اس کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ غصے سے بولا:

«مَنْ أَمَرَ بِهٰذَا؟» ''اس کا حکم کس نے دیا تھا؟''

وزیر نے اس کے دستخط پر انگلی رکھ دی۔ منصور نے اپنا خط پہچان لیا، اپنے ہاتھ ہی سے اس نے لکھا ہوا تھا۔ اس نے پھر کاغذ پکڑا اور اس پر ''یصلب'' لکھنا چاہا مگر تیسری بار پھر اس نے قلم سے لکھا: ''یطلق''۔ وزیر نے پھر دستخط شدہ ورق پکڑا اور اس پر پولیس کے نام حکم جاری کرنے لگا۔ منصور نے پھر دیکھا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔ وہ آزادی کا پروانہ جاری کر رہا تھا۔ اب خلیفہ کا غصہ آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا لفظ: **یطلق** دیکھا تو اس کی گردن جھک گئی۔ کہنے لگا:

«نَعَم! یُطْلَقُ عَلَى رَغْمِي، فَمَنْ أَرَادَ اللهُ سُبْحَانَهُ إِطْلَاقَهُ لَا أَقْدِرُ أَنَا عَلَى مَنْعِهِ»

''ہاں، میرے نہ چاہنے کے باوجود اسے چھوڑ دیا جائے، جس کو اللہ تعالیٰ رہا کرنا چاہے، میں اس کی رہائی کو روک نہیں سکتا۔''

---

(1) ابومحمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم اندلسی مشہور عالم دین، فقیہ، مؤرخ اور شاعر تھے۔ وہ 384ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ ابتدائی زندگی میں ابن حزم کو قید و بند کا سامنا کرنا پڑا۔ طوق الحمامہ، المحلّٰی، رسالہ فی فضل الاندلس، الاحکام، کتاب الفصل اور کتاب الاخلاق والسِّیَر ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کی 400 تصانیف 80 ہزار صفحات پر محیط تھیں۔ ابن حزم کا انتقال 456ھ میں ہوا۔ (اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد 1)

(2) محمد بن ابی عامر معروف بہ حاجب المنصور اندلس کے خلیفہ ہشام ثانی کا وزیر اعظم تھا۔

بادشاہِ وقت کی انصاف پسندی

سلطان ملک شاہ سلجوقی (1) اپنے دار السلطنت نیشاپور میں مقیم تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کے مختلف شہروں کے دورے کا پروگرام بنایا۔ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا۔ آخری عشرہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ جیسے ہی رمضان ختم ہوگا وہ عید کے فوراً بعد دورے پر نکل جائے گا۔ رمضان المبارک کی 29 ویں شب تھی۔ اس نے اپنے وزرا اور مصاحبوں کے ساتھ چاند دیکھنا شروع کیا۔ خوشامدی مصاحب موجود تھے، انھوں نے شور مچا دیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ سلطان نے گو خود چاند نہیں دیکھا اور نہ کسی اور ذمہ دار نے دیکھا، لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کر کے سب نے اس کو رؤیت ہلال کا یقین دلا دیا اور حکم ہوگیا کہ کل عید ہے۔

امام الحرمین ابو المعالی (2) جو مفتی اور رئیس القضاۃ تھے، ان کو خبر ہوئی تو انھوں نے منادی کو بلوایا اور کہا کہ ان الفاظ کے ساتھ منادی کرا دو: ''ابو المعالی کہتا ہے: کل تک ماہ رمضان ہے۔ جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے۔''

رئیس القضاۃ کی اس منادی کو مفتریوں نے نہایت برے الفاظ میں سلطان تک پہنچایا؛ بلکہ یہاں تک کہا کہ ابو المعالی کے خیالات سلطنت کے بارے میں اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے معتقد ہیں۔ اگر سلطان کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی۔ سلطان طبیعت کا برا نہیں تھا، اس لیے امام الحرمین کی منادی ناگوار گزرنے کے باوجود اس نے حکم دیا کہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ فتنہ پردازوں نے پھر کہا کہ جو شخص سلطان کے حکم کی

عزت نہ کرے، وہ قابلِ احترام نہیں ہے۔ سلطان نے کہا: جب تک میں براہِ راست ان سے گفتگو اور حقائق معلوم نہ کرلوں ایسے رفیع القدر شخص کی عزت میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ قاضی صاحب کو جب شاہی پیغام پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہو جائے اور حاسدین اللہ جانے دربار میں کس پیرایے میں میری تاخیر بیان کریں، جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ محل کے دروازے پر دربان نے روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے۔ ادھر حاسدین نے سلطان کو اطلاع کی کہ امام الحرمین نے پہلے ہی حکم عدولی کی ہے، اب دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہن کر آ گئے ہیں۔ سلطان کی طبیعت کچھ اور مکدر ہوگئی، مگر اندر آنے کا حکم دیا۔ رئیس القضاۃ جیسے ہی دربار میں آئے سلطان نے پوچھا: اس ہیئت کذائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں اور درباری لباس کیوں نہیں پہنا؟ قاضی صاحب نے کہا: اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جب اللہ کے سامنے میں اسی طرح پیش ہوتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت؟! البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے اور اس کی وجہ گستاخی نہیں؛ بلکہ میں نے سوچا کہ ذرا سی دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں اور مجھ سے بادشاہِ اسلام کے حکم کی مخالفت سرزد نہ ہو جائے، اس لیے جلدی میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا۔ سلطان نے کہا: جب اسلام میں حاکم کی اطاعت اس قدر واجب ہے تو پھر ہمارے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں؟

قاضی صاحب نے فرمایا: جو امور حکمِ سلطانی پر موقوف ہیں، ان کی اطاعت ہم

پر فرض ہے اور جو حکم فتویٰ کے متعلق ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور، اسے مجھ سے پوچھنا چاہیے کیونکہ بحکم شریعت علما کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔

جب سلطان نے امام صاحب کی یہ تقریر سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا اور ان کی جرأت وصداقت سے بہت خوش ہوا اور اعلان کرا دیا کہ میرا حکم در حقیقت غلط تھا اور امام الحرمین ورئیس القضاۃ کا فیصلہ صحیح ہے۔ (3)

آج بھی اگر علمائے کرام حق گوئی کو اپنا شعار بنالیں تو حکمران ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور اسی طریقے پر عمل ہونے سے آسمان کے نیچے عدل وانصاف اور امن وامان قائم ہوسکتا ہے۔

---

(1) ملک شاہ، سلطان الپ ارسلان سلجوقی کا بیٹا تھا۔ 10 ربیع الاول 465ھ بمطابق 1073ء کو تخت پر بیٹھا۔ نیشاپور تو اس کا دار الحکومت تھا، بغداد، حرمین الشریفین اور بیت المقدس میں بھی اس کا خطبہ پڑھا گیا۔ وہ 15 شوال 488ھ مطابق 18 نومبر 1092ء کو بعمر 37 سال انتقال کر گیا۔ دولت سلجوقیہ کے عروج واقبال اور عظمت وجلال کا اس کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا۔ خلفاء بغداد کا عزل ونصب سب اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد دولت سلجوقیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ملک شاہ کا وزیر نظام الملک طوسی اپنے عہد کا نامور سیاستدان اور علم دوست منتظم تھا جسے حسن بن صباح کے ایک باطنی فدائی نے شہید کر دیا۔

(2) امام الحرمین نظام الملک طوسی کی مجلس کے رکن تھے۔ نام عبد الملک، لقب ضیاء الدین، کنیت ابو المعالی اور خطاب امام الحرمین تھا۔ تاریخ پیدائش 18 محرم الحرام 419ھ/1028ء ہے۔ مدینہ میں حلقہ درس قائم کیا۔ فتاویٰ لکھے، اور وہیں سے امام الحرمین کا خطاب حاصل کیا۔ نظام الملک نے نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا، جس کے آپ مدرس اعظم مقرر ہوئے۔ سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی معاملات، خطابات اور اوقات وفتاویٰ کے آپ افسر تھے۔ بڑے پایہ کے مصنف اور صوفی تھے۔ جمادی الآخرہ 478ھ مطابق 1085ء میں نیشاپور میں انتقال ہوا۔

(3) نظام الملک طوسی حصہ اول: 133

بادشاہ کے سامنے ایک بیوہ کی بے باکی

سلطان ملک شاہ سلجوقی ایک مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ کسی گاؤں میں قیام ہوا۔ وہاں ایک غریب بیوہ کی گائے تھی جس کے دودھ سے اس کے تین بچوں کی پرورش ہوتی تھی۔ سلطان کے لشکریوں نے اس گائے کو ذبح کر کے خوب کباب اڑائے۔ غریب بڑھیا کو خبر ہوئی تو وہ بدحواس ہوگئی۔ لشکریوں کے اس نامناسب فعل پر کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا۔ ان کے آگے کوئی لاوارث بیوہ کی فریاد سننے کو تیار نہ تھا۔ ساری رات اس نے پریشانی میں کاٹی۔

صبح ہوئی، دل میں خیال آیا کہ کوئی نہیں سنتا تو نہ سہی، کیا بادشاہ بھی نہ سنے گا جس کو اللہ نے غریبوں کو ظالموں سے نجات دینے کے لیے اتنی بڑی سلطنت دی ہے؟ بادشاہ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ معلوم ہوا بادشاہ فلاں راستے سے شکار کو نکلے گا؛ چنانچہ اصفہان کی مشہور نہر کے پل پر جا کر کھڑی ہوگئی۔ جب سلطان پل پر آیا تو بڑھیا نے ہمت اور جرأت سے کام لے کر کہا:

”اے الپ ارسلان کے بیٹے! میرا انصاف اس نہر کے پل پر کرے گا یا پل صراط پر؟ جو جگہ پسند ہو انتخاب کر لے۔“

بادشاہ کے ہمراہی یہ بے باکی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عجیب وغریب اور حیرت انگیز سوال کا اس پر خاص اثر ہوا ہے۔ بڑھیا سے کہا:

”پل صراط کی طاقت نہیں ہے۔ میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہو کیا کہتی ہو۔“

بڑھیا نے اپنا سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے لشکریوں کی اس ظالمانہ حرکت

پر افسوس ظاہر کیا اور ایک گائے کے عوض اس کو ستر گائیں دلائیں اور مالا مال کر دیا۔اور جب اس بڑھیا نے کہا: تمھارے عدل وانصاف سے میں خوش ہوں اور میرا اللہ خوش ہے، تب وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ (1)

آہ! کیا زمانہ تھا، کہنے والے کیسے جرأت مند تھے اور سننے والے کیسے عالی حوصلہ! اگر موجودہ تہذیب وشائستگی کے زمانے میں کوئی شخص اس طرح حاکم کی سواری روک لے اور اس سے ایسی آزادانہ گفتگو کرے تو شاید پاگل خانے بھجوا دیا جائے۔

(1) یہ واقعہ محمد دین فوق کی کتاب ''ناقابل فراموش واقعات ص 210'' سے معمولی تصرف کے ساتھ لیا گیا ہے اور انھوں نے ''نظام الملک طوسی'' حصہ دوم ص 686 سے نقل کیا ہے۔

بادشاہ کو کوئی گواہ نہیں مل سکا

قاضی ابو حازم [1] کو ایک مرتبہ خلیفہ معتضد باللہ (279ھ ۔ 289ھ) نے پیغام بھیجا کہ فلاں شخص کی طرف جس پر کئی لوگوں نے دعویٰ کر کے اپنا اپنا مال لے لیا ہے، میرا بھی کچھ مال نکلتا ہے۔ مجھے بھی مدعی سمجھیے اور میرے دعوے پر غور کر کے میرا حصہ بھی مجھے دلوایئے۔

قاضی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ قضا کی ذمہ داری میری گردن پر ڈال کر اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ بغیر گواہوں کے آپ کے دعوے کو مان لوں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ آپ گواہ پیش کیجیے!!

خلیفہ نے کہلا بھیجا کہ فلاں اور فلاں میرے دو معزز گواہ ہیں۔ قاضی نے جواب دیا: وہ گواہ آپ کے نزدیک معزز ہوں گے، تاہم جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ بموجب احکام شرع وہ شہادت دینے کے قابل ہیں یا نہیں، آپ کے دعوے کو نہیں مان سکتا، نہ ان کی شہادت قبول کر سکتا ہوں۔ خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے ابوالحسین الخصیبی سے اس سلسلے میں جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

«يَشْهَدَانِ عِنْدِي وَأَسْأَلُ عَنْهُمَا، فَإِنْ زُكِّيَا قَبِلْتُ شَهَادَتَهُمَا وَإِلاَّ أَمْضَيْتُ مَا قَدْ ثَبَتَ عِنْدِي»

''وہ دونوں گواہ آکر میرے پاس شہادت دیں، میں ان کی تفتیش کروں گا۔ اگر وہ شہادت کے قابل ہوئے تو میں ان کی شہادت قبول کروں گا بصورت دیگر میں ثابت شدہ مقدمے کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

خلیفہ کے گواہوں نے جب سنا کہ عدالت میں ہم پر خوب جرح ہونے والی

ہے تو انھوں نے شہادت دینے سے انکار کر دیا اور قاضی ابوحازم نے خلیفہ کے مقدمے کو خارج کر دیا اور خلیفہ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ (2)

(1) ابوحازم احمد بن محمد القاضی بغداد کے محلّہ حوض داود میں رہتے تھے۔ وہ 316ھ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے ابوحازم (تابعی) کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے ہر درخت کی شاخیں سونے کی ہوں گی۔" (تاریخ بغداد ج 5 ص 108)

(2) تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی (323)

انصاف کا ایک حیرت انگیز واقعہ

سلطان عضد الدولہ [1] کو اس کے ایک مخبر (خفیہ پولیس کے اہلکار) کے ذریعے سے خبر ملی کہ قاضی القضاۃ کے پاس ایک شخص بیس ہزار دینار بطور امانت رکھوا گیا تھا۔ وہ شخص حج کے بعد رومیوں کے خلاف جہاد میں شامل ہوا اور زخمی ہو کر قید ہو گیا۔ چار سال کے بعد اسے رہائی ملی اور دس برس کے بعد جب واپس اپنے شہر میں آیا اور قاضی سے دینار طلب کیے تو اس نے جان پہچان تک سے انکار کر دیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر زیادہ تنگ کرو گے تو دیوانہ قرار دے کر بیمارستان (ہسپتال) بھجوا دوں گا جہاں ساری عمر سڑتا رہے گا۔

سلطان نے اس شخص کو بلوایا اور اس سے ساری داستان مفصل سنی، دو سو دینار خرچ کے لیے دے کر رخصت کر دیا اور کہا: جس وقت میں بلاؤں، اسی وقت جہاں اور جس حال میں ہو چلے آنا۔

اس کے جانے کے بعد عضد الدولہ نے قاضی کے امتحان کے لیے ایک دن اس کو خلوت میں بلوایا اور شہزادوں اور شہزادیوں کے متعلق گفتگو کر کے کہا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، شہزادوں کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ اپنی بہنوں کو مقرر شدہ حصہ نہ دیں گے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسے متقی اور دیندار کے پاس کچھ ہیرے جواہرات اور نقدی جمع کروا دوں تاکہ اگر میرے مرنے کے بعد شہزادے اپنی بہنوں کو ورثے میں سے حصہ نہ دیں تو آپ اس وقت لڑکیوں کی مدد کر سکیں اور انھیں یہ امانت دے دیں۔ آپ اس کام کے لیے وسیع تہ خانہ بنوائیں اور میرے اور آپ کے اور اس علام الغیوب کے سوا جو دلوں کے تمام حالات جاننے والا ہے اور کسی کو اس کی خبر نہ

ہو۔ سلطان نے قاضی کو دو سو دینار تہ خانہ بنوانے کے لیے بھی دیے۔

قاضی صاحب دل میں خوش ہو کر رخصت ہوئے کہ بڑھاپے میں اللہ نے سنی۔ اس قدر مال مفت ملنے لگا ہے کہ جس کی کبھی توقع بھی نہ ہو سکتی تھی۔ بیس ہزار دینار بھی گھر بیٹھے مل گئے، اور عضد الدولہ کے مرنے کے بعد یہ جواہرات اور خزانہ بھی سب میرا ہی ہے، نہ کوئی دستاویز ہے نہ کوئی گواہ۔

تہ خانہ تیار کروا کر قاضی نے عضد الدولہ کو اطلاع دی۔ سلطان نے ایک سو چالیس صندوق دیناروں سے بھرے۔ چند پیالوں میں لعل و یاقوت اور فیروزے بھر کر خزانے میں پہلے ہی رکھوا لیے تھے۔ قاضی کو بلوا کر یہ خزانہ دکھایا۔ قاضی یہ دیکھ کر نہال ہو گیا۔ سلطان نے کہا: آج رات تک یہ امانت پہنچ جائے گی۔ یہ کہہ کر اس کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد اس مظلوم کو بلوایا اور کہا: آج قاضی کے پاس جا کر سختی سے اپنے دیناروں کا تقاضا کرو۔ اگر وہ نہ مانے تو کہو: میں سلطان سے کہہ دوں گا جو آپ کی عزت خاک میں ملا دے گا اور مجھے میرا مال بھی دلوا دے گا۔

وہ شخص گیا اور سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ قاضی نے سوچا کہ اگر اس کم بخت نے شور مچایا تو شاید سلطان تک بات پہنچ جائے جبکہ سلطان نے آج ہی خزانہ بھجوانے کا وعدہ کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس بیس ہزار دینار کے بدلے وہ لاکھوں دینار اور جواہرات ہاتھ سے جاتے رہیں اور بے اعتباری و بے عزتی الگ ہو۔

یہ سوچ کر قاضی نے اس کی ساری رقم اس کے حوالے کر دی اور کہا: جو کچھ اب تک ہوا، وہ تمھارے ہی فائدے کے لیے تھا۔ اب تم صبر نہیں کرتے تو لے جاؤ، تمھارا ہی مال ہے۔ وہ شخص دینار اٹھا کر سیدھا عضد الدولہ کے پاس لے گیا۔

عضد الدولہ کو معلوم ہو گیا کہ قاضی نے واقعی خیانت کی ہے اور اگر اس کو ان جواہرات کا طمع نہ ہوتا تو کبھی وہ امانت واپس نہ دیتا۔ اس نے قاضی کا تمام مال اور اسباب ضبط کر لیا' اس کو عہدۂ قضا سے ہٹا دیا اور اس کی ضعیفی کی وجہ سے اس سے زیادہ کوئی اور سزا نہ دی۔ (2)

---

(1) چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلافت کمزور ہو گئی تو اثنا عشری آل بُویہ کے افراد بغداد میں نائب السلطنت اور سلطان بن کر حکومت کرنے لگے۔ عضد الدولہ 364ھ میں بغداد میں داخل ہوا اور اس نے خلیفہ طائع للہ (363ھ-381ھ) کو بغداد واپس بلا کر بیعت کی۔ 366ھ میں وہ اپنے باپ رکن الدولہ مقیم خراسان کی وفات پر اس کا جانشین بنا۔ بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ عضد الدولہ نے 372ھ میں وفات پائی۔

(دیکھیے تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج1 ص1112-1114)

(2) دیکھیے کتاب: نظام الملک طوسی حصہ دوم ص: 262

حق پسند اہل دربار

خلیفہ معتضد باللہ احمد بن طلحہ بن متوکل کی ولادت 242ھ میں ہوئی اور زمامِ حکومت اس نے 279ھ میں سنبھالی ۔ یہ بہت مغلوب الغضب تھا ۔ غصے کے وقت کسی پر بھی رحم کرنا نہیں جانتا تھا؛ بلکہ بعض مجرمین کو زندہ دیوار میں چنوا دیتا تھا۔اس لیے اس کے خوف ودہشت سے اس کے دس سالہ زمانۂ حکومت میں کسی فتنے نے سر اٹھانے کی کوشش نہیں کی، چنانچہ ملک میں امن وخوشحالی کا دور چل پڑا۔

284ھ میں خلیفہ معتضد باللہ نے ارادہ کیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر برسر منبر لعنت کی جائے ۔ وزیر عبیداللہ نے منع کیا کہ سوتے فتنے کو جگانا اچھا نہیں، لوگوں میں شورش پیدا ہوگئی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا مگر خلیفہ نے وزیر کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور احکام جاری کر دیے کہ جس قدر ممکن ہو، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مناقب اور خوبیاں بیان کی جائیں، اس کے برعکس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقائص وعیوب اجاگر کیے جائیں۔

قاضی یوسف نے جب سنا تو دوڑے آئے اور ہر چند کہ جانتے تھے کہ جب خلیفہ نے اپنے وزیر کا کہنا نہیں مانا تو میری کیا سنے گا لیکن اس حکم کا نتیجہ چونکہ وہ ملک اور مالک دونوں کے لیے برا سمجھتے تھے، اس لیے خلیفہ سے کہہ ہی دیا کہ آپ وہ غلطی کر رہے ہیں جس کی اصلاح بعد میں نہ ہو سکے گی۔ چاروں طرف آگ لگ جائے گی اور بجھائے نہ بجھے گی۔

خلیفہ نے کہا:

«إِنْ تَحَرَّكَتِ الْعَامَّةُ وَضَعْتُ السَّيْفَ فِيهَا»

''اگر عوام نے مزاحمت کی کوشش کی تو اس آگ کو آبِ شمشیر سے بجھاؤں گا۔''

قاضی یوسف نے پھر کہا: جوش' غصے اور ضد کا یہ وقت نہیں ہے۔ سلطنت کو بیٹھے بٹھائے آپ مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔ خلیفہ نے یہ سن کر تھوڑی دیر غور کیا اور اپنے احکام منسوخ کر دیے۔ (1)

(1) دیکھیے: تاریخ الخلفاء، امام سیوطی (320-322)

رشوت خور قاضی کی سزا

متوکل علی اللہ سلطنت عباسیہ کا حکمران تھا۔ اس نے 232ھ سے 247ھ تک حکومت کی۔ اس کا نام جعفر ابوالفضل بن معتصم بن ہارون رشید ہے۔ اس کی ماں کا نام شجاع تھا۔ اس کی ولادت 205یا207ھ میں ہوئی۔ خلافت کا منصب ملنے کے بعد اس نے اہل سنت سے ہمدردی ظاہر کی اور اہل سنت سے دل کھول کر تعاون بھی کیا۔ محدثین کرام کی توقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑی؛ حتی کہ تاریخ میں یہ معروف ہو گیا کہ تین خلفا کے کارنامے بے حد قابل قدر ہیں۔

ایک ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ جنھوں نے مرتدین کا زور ختم کیا۔ دوسرے عمر بن عبدالعزیز جنھوں نے ظلم و بہیمیّت کا صفایا کیا اور تیسرے متوکل علی اللہ جس نے جہمیہ کا زور ختم کر کے سنت کو زندہ کیا۔

اسی کے دور حکومت میں 234ھ میں دمشق میں ایک زبردست زلزلہ آیا جس میں فلک بوس عمارتیں زمیں بوس ہو گئیں اور 50 ہزار لوگ تباہ ہو گئے۔ 236ھ میں متوکل نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی عالیشان قبر اور اس کے اردگرد کے مکانات کو منہدم کرا دیا اور لوگوں کو اس کی زیارت سے منع کر دیا۔

متوکل کے زمانے میں مصر کا قاضی القضاۃ ابوبکر محمد بن ابواللیث تھا۔ وہ ظالم، سخت گیر اور رشوت خور تھا۔ انصاف نہ ہونے کی وجہ سے عام لوگ اس کے ہاتھوں نالاں تھے۔ حاکم مصر کے پاس لوگوں نے اس کی شکایات کیں مگر حاکم نے کوئی توجہ نہ دی۔ آخر بعض لوگ حاکم مصر کی چشم پوشی اور قاضی کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بغداد پہنچے۔ خلیفہ متوکل علی اللہ نے تمام شکایات بغور سنیں اور تحقیقات کا حکم دیا۔ جب

یقین ہو گیا کہ لوگ واقعی اس سے نالاں ہیں تو ایسی سخت سزا دی کہ لوگ برسوں اس عبرت انگیز سزا کا ذکر کرتے رہے۔ قاضی کی ڈاڑھی منڈوا کر اس کو گدھے پر سوار کرایا اور پھر سارے شہر میں اس کی اس ہیئت کذائی کی تشہیر کی گئی اور کئی دنوں تک ہر روز اس کو بیس کوڑے لگائے جاتے رہے اور اس کی جگہ حارث بن سکین مالکی کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔ (1)

(1) دیکھیے: تاریخ الخلفاء تالیف امام جلال الدین سیوطی (301-302)

ایک قیدی کی حق گوئی

خلیفہ واثق باللہ ہارون بن معتصم باللہ کی ولادت 196 ھ میں ہوئی۔وہ 227ھ سے 232ھ تک حکمران رہا۔ خلق قرآن کا مسئلہ اس دور کا سب سے عظیم فتنہ تھا۔ خلیفہ نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنایا ہوا تھا۔ جانے کتنے علماء کو شہید کیا گیا اور کتنوں کو ناحق قید خانوں میں ڈالا گیا۔

اس نے 231 ھ میں مصر کے گورنر کو یہ حکم لکھ بھیجا کہ مساجد کے ائمہ اور مؤذنوں کا امتحان لو کہ وہ مسئلہ خلق قرآن میں کیا کہتے ہیں۔اسی سال واثق باللہ نے سولہ سو (1600) مسلم قیدیوں کو شاہ روم کی قید سے نجات دلائی اور حکم دیا کہ جو قیدی مسئلہ خلق قرآن مان لے اس کو دو دینار دے کر رخصت کر دیا جائے اور جو نہ مانے اس کو زندان میں ڈال دیا جائے۔

خلیفہ واثق باللہ کی طرف سے احمد بن ابی دواد اس بات کے لیے مقرر تھا کہ وہ لوگوں کو طوعاً وکرہاً قرآن کو مخلوق ماننے کی ترغیب دے اور جو قرآن کو مخلوق نہ کہے اس کو جیسے چاہے سزا دے، چنانچہ اس نے لوگوں کو دعوت دینی شروع کی کہ وہ خلقِ قرآن کے قائل ہو جائیں۔

بادشاہ روم کی قید سے رہائی پانے والے قیدیوں میں سے ایک شخص پابہ سلاسل خلیفہ واثق باللہ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ یہ قیدی خلق قرآن کا قائل نہیں تھا۔ احمد بن ابی دواد بھی وہاں موجود تھا۔قیدی احمد بن ابی دواد کی طرف متوجہ ہو کر گویا ہوا:

«أَخْبِرْنِی عَنْ هٰذَا الرَّأْيِ الَّذِی دَعَوْتُمُ النَّاسَ إِلَيْهِ ،أَعَلِمَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَدْعُ النَّاسَ إِلَيْهِ ،أَمْ شَیْءٌ لَمْ يَعْلَمْهُ»

"اس رائے کے متعلق مجھے بتاؤ (جو تمھاری رائے ہے کہ قرآن اللہ کی مخلوق ہے اور) جس کی طرف تم لوگوں کو (زبردستی او رلالچ دے کر) بلاتے ہو۔ کیا رسول اکرم ﷺ کو بھی اس کا علم تھا، اور پھر بھی آپ نے جانتے ہوئے بھی لوگوں کو اس کی طرف نہیں بلایا؟ یا اس رائے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کو کچھ علم ہی نہیں تھا؟"

ابن ابی دواد نے کہا: رسول اکرم ﷺ کو اس کا علم تھا۔ قیدی نے کہا: جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا (یعنی تشدد، سختی، قید اور قتل) وہ تم کیوں کرتے ہو؟ جو کام رسول اکرم ﷺ نے ناجائز سمجھا اس کو تم نے کس طرح جائز قرار دے دیا؟ یہ باتیں سن کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ واثق باللہ ہنسنے لگا اور اپنے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے قصر کے اندر چلا گیا۔ اپنے فرش پر لیٹ کر کہنے لگا: جس بات کو رسول اللہ ﷺ نے ناجائز قرار دیا اس کو ہم جائز سمجھ رہے ہیں اور جس معاملے میں آپ نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں سختی کر رہے ہیں، چنانچہ اس نے قیدی کو تین سو دینار دیے اور اس کو اس کے وطن واپس بھیج دیا اور پھر کبھی کسی کو اس مسئلے کے متعلق تکلیف نہیں دی؛ بلکہ اسی دن سے ابن ابی دواد سے واثق کی ناراضی بڑھتی گئی۔

جس قیدی کا اوپر تذکرہ ہوا، وہ ابوعبدالرحمٰن بن محمد الأذرمی تھے جو امام ابوداود اور امام نسائی کے استاذ تھے۔ (1)

---

(1) دیکھیے: تاریخ الخلفاء، امام سیوطی، دار المعرفہ (297)

عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں۔ ان کا نام پہلے عاصیہ تھا جس کے معنی نافرمان عورت کے ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ ان کے پاس اگر کوئی ایسے نام والا آدمی یا عورت لائے جاتے جس کے معانی اچھے نہیں ہوتے تھے تو آپ اس کو بدل دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے عاصیہ کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عاصم انھی کے بطن سے تھے۔ عاصم ابھی چھوٹے ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمیلہ کو طلاق دے دی۔

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے قبا میں رہائش پذیر تھے، بعد میں مدینہ آ گئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی جانب جا نکلے۔ دیکھا ان کے بیٹے عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ بیٹے کو دیکھا تو پدری شفقت غالب آ گئی۔ بیٹے کو سینے سے لگا لیا اور پکڑ کر گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لے جانا چاہا۔ ادھر جمیلہ کو بھی کسی نے بتا دیا۔ وہ بھاگتی ہوئی آئیں اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگیں: عاصم میرا لخت جگر ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھوں گی۔ آپ اسے نہیں لے جا سکتے۔

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے، عاصم کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ اختلافی باتیں شروع ہو گئیں، جھگڑے نے طول پکڑا۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا۔ دونوں نے اپنے اپنے حق میں دلائل دیے۔ امیر المؤمنین نے مقدمے کی بغور سماعت کی اور فیصلہ صادر فرمایا کہ عاصم اپنی ماں جمیلہ کے پاس رہے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خلاف فیصلہ سنا اور پھر خلیفۃ الرسول کے فیصلے کے سامنے اپنی گردن جھکا دی اور اس فیصلے پر کوئی انگشت نمائی نہیں کی اور عاصم کو اس کی ماں ہی کے پاس چھوڑ دیا۔

(1) الفاروق عمر بن الخطاب ثانی الخلفاء الراشدین۔ تالیف محمد رضا ص، 12

جہنم کی آگ تمھیں جھلسا دیتی!

بدری صحابی حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی بات پر غصے میں آ کر میں اپنے ایک غلام کو کوڑے سے مار رہا تھا۔ اچانک میرے پیچھے سے کسی کی یہ آواز سنائی دی:

«اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ! لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ»

''ابو مسعود! جان رکھو کہ تم اپنے اس غلام پر جتنی قوت رکھتے ہو' اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے۔''

چونکہ میں شدید غصے کے عالم میں تھا اس لیے میں پیچھے سے آنے والی آواز کو صاف طور پر نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ جب میں نے پیچھے کی جانب مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ دراصل پیچھے سے آنے والی آواز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب آتے دیکھ کر میں نے اپنے ہاتھ سے کوڑا زمین پر ڈال دیا اور عرض کی:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ»

''اے اللہ کے رسول! یہ غلام اللہ کے لیے میری طرف سے آزاد ہے۔''

ایک دوسری روایت کے مطابق ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بھی وعدہ کیا:

«لاَ أَضْرِبُ مَمْلُوكًا بَعْدَهُ أَبَدًا»

''میں آج کے بعد کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:

«أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ»

''اگر تم اپنے اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمھیں جھلسا دیتی یا چھو لیتی۔''(1)

اس سے اندازہ لگائیں کہ رسول اکرم ﷺ نے غلاموں کی آزادی کے لیے کس قدر عمدہ اور فیصلہ کن احکامات سنائے ہیں!!

(1) مسلم، الأیمان' باب صحبة الممالیک و کفارة من لطم عبده، حدیث:1659

میں تو لنگڑا ہو گیا!

عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے ساتھی کے پاؤں میں نیزہ مار کر اسے زخمی کر دیا۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ میری مظلومیت کا حق دلائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَعْجَلْ حَتَّى يَبْرَأَ جُرْحُكَ»

''تم اپنا بدلہ لینے میں جلدی سے کام مت لو' یہاں تک کہ تمھارا زخم ٹھیک ہو جائے۔''

مگر وہ بدلہ لینے پر مصر تھا۔ وہ رسول اکرم ﷺ سے اصرار کرتا رہا کہ آپ مجھے میرا حق دلا دیں۔ رسول اکرم ﷺ نے جب اس کا اصرار دیکھا تو اسے بدلہ لینے کی اجازت دے دی۔ اب اس نے اپنے ساتھی سے بدلہ لینے کی کوشش کی تو اتفاق سے اس کا ساتھی تو صحیح سلامت رہا مگر یہ لنگڑا ہو گیا (الٹا بدلہ لینے والے ہی کو نقصان پہنچا)۔ اب وہ دوبارہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

«عَرَجْتُ وَبَرِأَ صَاحِبِي»

''میں تو لنگڑا ہو گیا جبکہ میرے ساتھی کا کچھ بھی نہیں بگڑا۔''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَلَمْ آمُرْكَ أَنْ لاَّ تَسْتَقِيدَ حَتَّى يَبْرَأَ جُرْحُكَ فَعَصَيْتَنِي فَأَبْعَدَكَ اللهُ وَبَطَلَ جُرْحُكَ»

''میں نے تمھیں حکم نہیں دیا تھا کہ تم (اپنے ساتھی سے ابھی) بدلہ نہ لو' یہاں

تک کہ تمھارے زخم ٹھیک ہو جائیں۔ مگر تم نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صحیح بدلے سے تمھیں دور ہی رکھا اور تمھارا حق ضائع ہو گیا۔‘‘

پھر اس حادثے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ جب تک زخم خوردہ شخص کا زخم ٹھیک نہ ہو جائے وہ اپنے مدِّ مقابل (زخمی کرنے والے) سے قصاص (بدلہ) نہیں لے سکتا۔ (1)

(1) یہ واقعہ مصنف عبدالرزاق: 454/9، دار قطنی: 88/2، مسند احمد: 217/2، مجمع الزوائد: 296/6 وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔ دیکھیے: اقضیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: 150/1

یہود کی حیلہ سازی اور رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا۔ یہودیوں نے باہم مشورہ کیا کہ کیوں نہ ہم لوگ اس نبی (محمد ﷺ) کے پاس چل کر ان سے اس کا فیصلہ کرائیں کیونکہ انھیں رحیم اور شفیق بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر وہ رجم اور سنگساری کے علاوہ کوئی دوسری سزا سنائیں گے تو ہم اسے قبول کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس یہ حجت پیش کر دیں گے کہ یہ حکم تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کا ہے (اور یوں ہم اللہ کے عذاب سے بچ جائیں گے)۔

اپنے تئیں یہ حیلہ بہانہ کر کے یہود رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ یہودیوں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ فتویٰ دریافت کیا:

«يَا أَبَا الْقَاسِمِ! مَا تَرَى فِي رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا؟»

''ابوالقاسم ﷺ! زنا کار مرد و عورت کے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟''

رسول اکرم ﷺ نے ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا اور ان سے کچھ کہے بغیر یہودیوں کی ایک درسگاہ میں پہنچے جہاں تورات کی تعلیم ہوتی تھی۔ رسول اکرم ﷺ درسگاہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور دریافت فرمایا:

«أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى، مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ؟»

''میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر

تورات نازل فرمائی ہے، تم شادی شدہ زنا کار کی سزا تورات میں کیا پاتے ہو؟''

علمائے یہود نے جواباً عرض کی: زانی کا منہ کالا کر دیا جائے گا' زنا کار مرد اور عورت کی پیٹھ یکجا کر کے باندھ دیں گے' انھیں گدھے پر گھمایا جائے گا اور کوڑے لگائے جائیں گے۔

علمائے یہود میں سے ایک نوجوان خاموشی کے ساتھ یہ باتیں سن رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے جب اس نوجوان کو خاموش دیکھا تو آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے شدت کے ساتھ اللہ کی قسم دے کر زنا کاری کی سزا پوچھی۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! جب آپ ہمیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم تورات میں زنا کاری کی سزا رجم پاتے ہیں!!

رسول اکرم ﷺ نے اس نوجوان کی بات سن کر فرمایا:

«فَمَا أَوَّلُ مَا ارْتَخَصْتُمْ أَمْرَ اللهِ؟»

''پھر کب سے تم لوگوں نے اللہ کے حکم کو ہلکا کر دیا ہے؟!''

نوجوان نے جواب دیا:

«زَنَى ذُو قَرَابَةٍ مِنْ مَلِكٍ مِنْ مُلُوكِنَا فَأُخِّرَ عَنْهُ الرَّجْمُ، ثُمَّ زَنَى رَجُلٌ فِي أُسْرَةٍ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ رَجْمَهُ، فَحَالَ قَوْمُهُ دُونَهُ وَقَالُوا: لَا يُرْجَمُ صَاحِبُنَا حَتَّى تَجِيءَ بِصَاحِبِكَ فَتَرْجُمَهُ، فَأَصْلَحُوا عَلَى هٰذِهِ الْعُقُوبَةِ بَيْنَهُمْ»

''ہمارے بادشاہ کے خویش و اقارب میں سے کسی آدمی نے زنا کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اس کو سنگسار نہیں کیا۔ پھر رعایا میں سے ایک آدمی نے اسی گناہ کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اس کو سنگسار کر دینا چاہا۔ اس کی قوم اس کے فیصلے میں حائل

ہوگئی۔ کہنے لگی: تم ہمارے آدمی کو اس وقت تک سنگسار نہیں کر سکتے جب تک کہ پہلے اپنے رشتے دار کو رجم نہ کرو' چنانچہ دونوں طرف کے لوگوں نے باہمی رضامندی سے زنا کی اس سزا پر اتفاق کر لیا۔''

رسول اکرم ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

«فَإِنِّي أَحْكُمُ بِمَا فِي التَّوْرَاةِ»

''میں تورات کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ دوں گا۔''

پھر آپ ﷺ نے ان دونوں زنا کار مرد و عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا' چنانچہ آپ کے حکم سے انھیں سنگسار کر دیا گیا۔ (1)

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

«فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَحْنِي عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ»

''(جب رسول اکرم ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا) تو میں نے مرد کو دیکھا کہ وہ عورت کی طرف جھک کر اسے پتھروں سے بچا رہا تھا۔'' (2)

---

(1) ابوداود: کتاب الحدود' باب فی رجم الیھودیین: 4450

(2) بخاری: 1329' 1335' مسلم: 1699' ابوداود: 4446

کسی کا مذاق نہ اڑانا

ہارون رشید کے پاس ایک مرتبہ امام کسائی اور یزید اکٹھے تھے۔ جب مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے جماعت کروانے کے لیے امام کسائی کو آگے بڑھا دیا۔ امام کسائی اپنے دور کے مشہور سات قراءتوں کے قاری تھے۔ نماز شروع کی تو نجانے کیسے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ سورۃ الکافرون کی تلاوت شروع کی تو اس میں بھول گئے یا اعراب کی غلطی ہو گئی۔ سلام پھیرا تو یزید کہنے لگے: تعجب ہے کہ اہل کوفہ کے سب سے بڑے قاری اور امام سے سورۃ الکافرون میں غلطی ہو گئی ہے اور وہ یہ سورت صحیح نہیں پڑھ سکے۔

تھوڑی دیر گزری، مؤذن نے عشاء کے لیے اذان کہی اور اب یزید امامت کروانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ ان پر دوران نماز نجانے کیوں ہیبت طاری ہو گئی اور سورۃ الفاتحہ میں غلطی کر بیٹھے۔ بھول بھی گئے اور اعراب میں بھی غلطی ہو گئی۔

جب سلام پھیرا تو امام کسائی نے برجستہ کہا:

«احْفَظْ لِسَانَكَ لَا تَقُولُ فَتُبْتَلَى، إِنَّ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالنُّطْقِ»

اپنی زبان کی حفاظت کرو' اور اس سے ایسی بات نہ نکالو کہ آزمائش میں ڈال دیے جاؤ۔ انسان کی آزمائش اس کی گفتگو سے وابستہ ہے۔

جھوٹا مقدمہ

مروان بن حکم کے دور خلافت میں اروىٰ بنت اویس نامی خاتون نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر مقدمہ دائر کیا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ مقدمہ یہ تھا کہ انھوں نے اروىٰ کی زمین کے ایک ٹکڑے پر ناجائز قبضہ کرلیا ہے۔ مقدمہ مروان کے پاس گیا۔ اس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ یہ اس وقت خاصے بوڑھے ہو چکے تھے۔ مقدمہ پیش ہوا تو انھوں نے کہا کہ «أَنَا أَنْتَقِصُ مِنْ حَقِّهَا شَيْئًا؟ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ»

''میں اس کی زمین پر کیسے قبضہ کرسکتا ہوں جب کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے خود سنا ہے۔''

مروان کہنے لگا: اے صحابیِ رسول! آپ بتائیے آپ نے کیا سنا ہے؟

کہنے لگے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الأَرْضِ ظُلْمًا يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ»

''جس شخص نے کسی کی بالشت برابر زمین پر بھی ظلم سے قبضہ کیا تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔''(1)

مروان نے کہا: اس حدیث کے سننے کے بعد کسی دلیل، گواہ یا حجت کی کوئی ضرورت نہیں۔ مقدمہ خارج کر دیا اور فیصلہ دیا کہ سعید پر ناجائز مقدمہ بنایا گیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

سعید رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول تھے۔ ان کی عمر کے اس حصے میں اہانت ہوئی تھی اور انھیں عدالت میں طلب کیا گیا تھا۔ ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف اٹھا کر فرمایا:

«اللَّهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَعُمَّ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِي أَرْضِهَا»

''اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کو اندھی کر دے اور اس کو اسی کی زمین میں ہلاک کر دے۔''

چنانچہ مرنے سے پہلے وہ عورت اندھی ہوگئی۔ ایک دن اپنی زمین میں پھر رہی تھی کہ اچانک ایک گڑھے میں گر کر مرگئی۔

---

(1) صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع ارضین، حدیث: 3198

طاقت رکھنے کے باوجود عفو و درگزر

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما(1) سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مجلس میں باریابی کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اجازت مرحمت فرمائی۔

وہ آدمی گویا ہوا: اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! آپ ہمیں عطیات نہیں دیتے ہیں اور نہ ہمارے مابین انصاف کرتے ہیں۔

یہ سنتے ہی عمر رضی اللہ عنہ طیش میں آ گئے اور اسے سزا دینی چاہی۔

حر بن قیس نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾

''آپ درگزر اختیار کریں' نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں''۔[الاعراف:199]

اور یہ جاہلوں میں سے ہے۔اس کے الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ٹھنڈے پڑ گئے۔

(1) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ وہ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لعاب دہن کی گھٹی دی۔ اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل کو دیکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن، راویٔ حدیث، خلفائے ثلاثہ کے فیصلوں کے رمز آشنا، فقیہ، شعر و ادب کے شناور اور حساب و فرائض اور ایام عرب کے عالم تھے۔ اس بنا پر وہ حبر الأمّت کہلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کا گورنر مامور کیا۔ وہ جنگ صفین میں خلیفۂ چہارم کے ہمراہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما 68ھ میں طائف میں وفات پا گئے۔
(اسد الغابہ ج 3 ص 290-294)

(2) صحیح البخاری:4642

فیصلہ سنانے میں جلدی مت کرو

شعبی (1) کہتے ہیں:

''میں قاضی شریح کی خدمت میں بیٹھا تھا' اتنے میں ایک عورت روتے ہوئے اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی جو کہ گھر سے باہر تھا' عورت زار و قطار رو رہی تھی۔ میں نے قاضی شریح سے کہا:

اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت رکھے' میرے خیال میں یہ عورت مظلوم ہے اور اس کا حق پامال ہوا ہے۔

قاضی شریح نے پوچھا: کس دلیل کی بنا پر تم اس عورت کو مظلوم سمجھ رہے ہو؟

میں نے عرض کیا: اس کے زار و قطار رونے اور آنسوؤں کا سمندر بہانے کی وجہ سے۔

قاضی شریح نے فرمایا: جب تک حقیقت معاملہ واضح نہ ہو جائے' فیصلہ سنانے میں جلدی مت کرو کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائی جب اپنے والد یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں آئے تھے تو وہ بھی زار و قطار آنسو بہا رہے تھے' حالانکہ انھوں نے یوسف علیہ السلام پر ظلم ڈھایا تھا!!

---

(1) ابوعمرو عامر بن شراحیل الشعبی جنوبی عرب کے قبیلہ ہمدان کی شاخ شعب سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ 19ھ/640ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن اشعث کی بغاوت میں حصہ لیا اور پھر حجاج بن یوسف کے انتقام سے بچنے کے لیے قتیبہ بن مسلم کے پاس فرغانہ چلے گئے۔ حجاج سے معافی ملی تو خلیفہ عبدالملک نے امام شعبی کو دمشق بلوا لیا اور انھیں سفارت کے ساتھ قسطنطنیہ بھیجا۔ وہ بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے 110ھ/728ء میں وفات پائی۔

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج11 ص739-741)

مال فدک کا قضیہ خلیفہ سفّاح کے دربار میں

سفّاح [1] خلافت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہے۔ اس کی پیدائش ۱۰۸ھ میں ہوئی۔ کوفہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي عِنْدَ انْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ وَظُهُورٍ مِنَ الْفِتَنِ، يُقَالُ لَهُ السَّفَّاحُ يَكُونُ إِعْطَاؤُهُ الْمَالَ حَثْيًا»

''کچھ زمانے بعد جب فتنے رونما ہو جائیں گے تو میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا جس کا نام ''سفّاح'' ہوگا، وہ لوگوں کو مال لپ بھر بھر کر دے گا (یعنی مال و دولت کی بہتات ہوگی)''[2]

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ خلیفہ سفّاح نے اپنی خلافت کا پہلا خطبہ ''عباسیہ'' نامی ایک گاؤں میں دیا۔ دوران خطبہ ابوطالب کی اولاد میں سے ایک شخص اٹھا جس کی گردن میں قرآن لٹک رہا تھا۔ تاریخ الخلفاء کے مطابق اس کا نام عبداللہ بن حسن تھا۔ وہ اس مجلس میں اٹھا، خلیفہ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا:

«أُذَكِّرُكَ اللهَ الَّذِي ذَكَرْتَهُ إِلاَّ أَنْصَفْتَنِي مِنْ خَصْمِي وَ حَكَمْتَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ بِمَا فِي هٰذَا الْمُصْحَفِ»

''جس اللہ کا آپ ذکر کر رہے ہیں اسی کی میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپ میرے مقدمے کو انصاف کے ساتھ نپٹائیں اور اس قرآن کے مطابق فیصلہ سنائیں۔''

خلیفہ سَفّاح نے پوچھا:

«وَمَنْ ظَلَمَكَ؟»

''آخر تم پر ظلم کس نے کیا ہے؟''

عبداللہ بن حسن: «أَبُوبَكْرٍ الَّذِي مَنَعَ فَاطِمَةَ فَدْكًا»

''وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں جنھوں نے فاطمہ بنت محمد کو مالِ فدک [3] سے محروم رکھا۔''

خلیفہ سفّاح نے پوچھا:

«وَهَلْ كَانَ بَعْدَهُ أَحَدٌ؟» ''کیا ابوبکر کے بعد بھی کوئی خلیفہ تھا؟''

عبداللہ بن حسن: ہاں۔

خلیفہ سفاح: کون؟

عبداللہ بن حسن: عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)۔

خلیفہ سفاح: «فَأَقَامَ عَلَى ظُلْمِهِمْ؟»

''پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی تم پر ظلم روا رکھا؟''

عبداللہ بن حسن: ہاں۔

خلیفہ سفاح: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کوئی خلیفہ تھا؟

عبداللہ بن حسن: ہاں۔

خلیفہ سفاح: کون؟

عبداللہ بن حسن: عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ)۔

خلیفہ سفاح: انھوں نے بھی تم لوگوں پر ظلم کو برقرار رکھا اور تم انصاف سے محروم رہے؟

عبداللہ بن حسن: ہاں۔

خلیفہ سفاح: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کوئی مسلمانوں کا خلیفہ تھا؟

عبداللہ بن حسن: ہاں۔

خلیفہ سفاح: کون؟

عبداللہ بن حسن: امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

خلیفہ سفاح: پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی تم لوگوں پر ظلم روا رکھا اور مالِ فدک مسلمانوں سے چھین کر تم لوگوں کے حوالے نہیں کیا؟

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے خلیفہ سفاح نے آگے کہنا شروع کیا:

«إِنَّ عَلِيًّا جَدَّكَ كَانَ خَيْرًا مِنِّي وَأَعْدَلَ، وَلِيَ هٰذَا الأَمْرَ أَفَأَعْطَى جَدَّيْكَ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، وَكَانَا خَيْرًا مِنْكَ، شَيْئًا؟»

''تمھارے دادا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل تھے اور مجھ سے زیادہ انصاف پرور بھی۔ زمامِ خلافت ان کے ہاتھ میں بھی آئی تھی۔ کیا انھوں نے اپنے فرزندوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو مالِ فدک میں سے کچھ دیا تھا؛ جبکہ وہ دونوں تم سے افضل تھے؟''

یہ جواب سن کر عبداللہ بن حسن ہکا بکا رہ گیا اور بالکل خاموشی کے عالم میں پیچھے کی جانب دیکھنے لگا۔ گویا وہ چھٹکارا تلاش کر رہا تھا۔

ادھر خلیفہ سفاح نے کلام کو مزید طول دیا اور کہنے لگا:

«وَاللّٰهِ الَّذِي لاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ، لَوْلاَ أَنَّهُ أَوَّلُ مَقَامٍ قُمْتُهُ ثُمَّ لَمْ أَكُنْ تَقَدَّمْتُ فِي هٰذَا قَبْلُ لأَخَذْتُ الَّذِي فِيهِ عَيْنَاكَ، اقْعُدْ»

''قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اگر میرے خطبے کا یہ پہلا موقع نہ ہوتا اور مجھ سے پہلے اس مسئلے کے بارے میں (دوسرے خلفاء سے) باز پرس نہیں ہوئی ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا؛ چل بیٹھ۔''

خلیفہ سفاح نے پوری وضاحت کے ساتھ اس کو ڈانٹ کر بٹھا دیا اور پھر اپنا

خطبہ آگے جاری رکھا۔ (4)

(1) ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پرپوتا تھا۔ آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے قتل کے بعد وہ 132ھ/750ء میں ہاشمیہ نزد انبار (عراق) میں تخت نشین ہوا۔ ابومسلم خراسانی نے خلافت عباسیہ کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس نے زیاد بن صالح کو فرغانہ اور شاش پر حملہ آور ایک لاکھ چینی فوج کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ اس معرکے میں پچاس ہزار چینی قتل اور 20 ہزار گرفتار ہوئے۔ سفاح نے ذی الحجہ 136ھ/754ء میں وفات پائی۔

(''تاریخ اسلام'' از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص 847-853)

(2) مسند احمد 80/3، دلائل النبوۃ للبیھقی 514/6، تاریخ بغداد 48/10، کنز العمال 31039

(3) ''فدک'' سرزمین حجاز میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ فدک سے مدینہ منورہ تک دو یا تین دن کی مسافت ہے۔ ۷ھ میں جب رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے قلعوں کو فتح کر لیا تو مدینہ منورہ واپسی کے بعد حضرت محیصہ بن مسعود کو ایلچی بنا کر فدک کی طرف روانہ کیا۔ ان دنوں فدک کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ فتح خیبر کی خبر سے اہل فدک مرعوب ہو چکے تھے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ اپنا سکہ بٹھا چکا تھا۔ جب انھوں نے رسول اکرم ﷺ کا پیغام فدک کے یہودیوں کے سردار کو دیا کہ ''اسلام قبول کر لو یا جزیے کے لیے تیار ہو جاؤ'' تو وہ فوراً اپنی زمین کی پیداوار کا آدھا حصہ دینے پر راضی ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے مال فدک کو اپنے لیے مخصوص کیا کیونکہ یہ لڑائی کے بغیر صرف مصالحت سے قبضے میں آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہی مال فدک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے طلب کیا تو انھوں نے فرمایا: اے رسول اللہ کی صاحبزادی! میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَنِيهَا اللّٰهُ تَعَالَى حَيَاتِي فَإِذَا مِتُّ فَهِيَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ»

''یہ مال فدک روزی (مال غنیمت) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھے میری زندگی میں کھلایا ہے، جب میں فوت ہو جاؤں گا تو یہ مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔''

[دیکھیے: معجم البلدان (272/4)]

(4) دیکھیے: اخبار الأذکیاء، ابن جوزی، (68)، وتاریخ الخلفاء (200)

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان

کوڑے کھانا منظور ہے' منصبِ قضا منظور نہیں

ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (1) کو منصب قضا سونپنا چاہا' لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام ابوحنیفہ کے اس انکار پر اس نے قسم کھالی کہ اگر امام صاحب نے منصب قضا تسلیم نہیں کیا تو میں انھیں ضرور کوڑے لگاؤں گا اور پھر قید خانے میں ڈال دوں گا۔

امام ابوحنیفہ نے اس کی بارہا کوشش کے باوجود منصب قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہ کو اس قدر کوڑے لگائے کہ آپ کا منہ اور سر مار سے پھول گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

«الضَّرْبُ بِالسِّيَاطِ فِي الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنَ الضَّرْبِ بِمَقَاطِعِ الْحَدِيدِ فِي الْآخِرَةِ»

''دنیا میں کوڑے کھالینا میرے لیے اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ آخرت میں مجھے لوہے کے گرز کا سامنا کرنا پڑے۔''

---

(1) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ بہت بڑے عالم دین اور فقیہ تھے۔ وہ 80ھ/699ء میں ''حدود'' میں پیدا ہوئے۔ وہ کوفے میں خز (ریشمی کپڑا) بناتے اور اس کی تجارت کرتے تھے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام حماد رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ابن ہبیرہ کے بعد خلیفہ منصور نے انھیں قاضی بنانا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے تو منصور نے 146ھ میں انھیں قید کر دیا۔ انھوں نے بغداد میں قید ہی میں 150ھ/767ء میں وفات پائی۔ امام یوسف، امام محمد اور امام زفران کے نامور شاگرد تھے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج1 ص783-784)

وجودِ باری تعالیٰ کی دلیل شہتوت میں

چند لوگ امام شافعی رحمہ اللہ [1] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا: اللہ عزوجل کے وجود پر کوئی دلیل بیان کریں؟ امام شافعی نے پل بھر کے لیے سوچا اور ان سے فرمایا: باری تعالیٰ کے وجود پر دلیل کے لیے بس یہ شہتوت کا پتہ ہی کافی ہے۔ لوگوں نے اس عجیب وغریب جواب پر تعجب کا اظہار کیا اور کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل یہ شہتوت کا پتہ؟! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟!

امام شافعی نے فرمایا: شہتوت کے پتے کا مزہ تو ایک ہی ہے، مگر جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو وہ ریشم نکالتا ہے، جب شہد کی مکھی کھاتی ہے تو وہ شہد دیتی ہے، اور جب ہرن کھاتا ہے تو مشک کی پیاری خوشبو دیتا ہے۔ پھر وہ کون سی ہستی ہے جس نے ایک ہی چیز کو مختلف رنگ اور خواص دیے ہیں؟! یقیناً وہ ہستی اللہ تعالی ہی کی ہے جس نے اس عظیم کائنات کو پیدا فرمایا ہے۔

امام شافعی کے اس فیصلہ کن جواب نے سائلین کو متحیر کر دیا اور انھیں شہتوت کے پتے میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر مستحکم دلیل مل گئی۔

---

(1) ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع بن سائب کا سلسلۂ نسب عبدمناف پر نبی ﷺ کے نسب سے ملتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ 150ھ/767ء میں غزہ ہاشم (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبیداللہ بن حسن بن حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھا۔ دس برس کی عمر میں انھوں نے مکہ میں باقاعدہ سکونت اختیار کی۔ وہ تیرہ برس کے تھے جب مدینہ آ کر انھوں نے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ان کی وفات تک ان سے مؤطا پڑھتے رہے۔ پھر مکہ واپس آ کر سفیان بن عُیینہ اور دیگر علمائے حدیث وفقہ سے تحصیل علم کی۔ انھوں نے بیت اللہ شریف میں حدیث کا درس دیا۔

تو جس کا باپ ہے، وہ واقعی یتیم ہے!!

خلیفہ منصور (1) نے زیاد بن عبداللہ کو لکھ بھیجا کہ قواعد (وہ عورتیں جنھیں حیض نہ آتا ہو یا جن کو شادی کی خواہش نہ ہو)، اندھوں اور یتیموں میں مال تقسیم کردو۔

خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ مال مستحقین میں تقسیم کرنا ضروری تھا، چنانچہ زیاد بن عبداللہ نے ایک فہرست بنائی اور اس کے مطابق لوگوں کے درمیان مال تقسیم کرنے لگا۔ اتنے میں ابوزیاد تمیمی جو کہ مُغفل اور بدھو تھا، زیاد بن عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے بھی قواعد کی فہرست میں شامل کرلیں اور مال عطا کریں۔

زیاد بن عبداللہ نے کہا:

اللہ تیرا بھلا کرے، قواعد تو وہ عورتیں ہوا کرتی ہیں جن کو حیض نہیں آتا، یا جن کو شادی کی خواہش نہیں ہوا کرتی، اور تو تو مرد ہے، پھر بھلا قواعد کی فہرست میں تیرا نام کیسے درج ہوسکتا ہے؟

ابوزیاد تمیمی بولا: تو پھر مجھے اندھوں کی فہرست میں شامل کرلیں۔

زیاد بن عبداللہ نے کہا: اسے اندھوں کی فہرست میں شامل کرلو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ﴾

”بات یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔“ [الحج:۴۶]

ابوزیاد نے پھر کہا: جناب! میرے بچے کو یتیموں کی فہرست میں شامل کرلیں۔

زیاد بن عبداللہ نے کہا:

ہاں، جس کے تم باپ ہو، وہ واقعی یتیم ہے!!

(1) ابوجعفر منصور، عباسی خلافت کا اصل بانی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے بھائی سفاح کے بعد 136ھ/754ء میں تخت پر بیٹھا۔ منصور کے چچا عبداللہ بن علی نے شام میں بغاوت کی جسے ابومسلم خراسانی نے فرو کیا۔ 754ء ہی میں ابومسلم کے باغیانہ رویے کی بنا پر اسے منصور کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ منصور نے رومیوں کا شدید حملہ پسپا کر کے کپاڈوشیا (اناطولیہ) پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ سیّد محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں اور ان کے چھوٹے بھائی سید ابراہیم نے کوفے میں خروج کیا تو دونوں مقتول ہوئے۔ منصور نے 762ء میں دارالحکومت بغداد کی بنیاد رکھی اور 158ھ/775ء میں وفات پائی۔

(انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم ج1 ص25)

والیٔ بصرہ کی معزولی

امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چوتھے سال کی ابتدا میں بعض اقوام خلیفۂ وقت کی اطاعت سے منحرف ہو گئیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (1) والیٔ بصرہ کو ان اقوام کی گوشمالی و اصلاح کا کام سپرد ہوا۔ جہاد کی فضیلت خلیفہ کے حکم سے تمام ملک میں مشتہر کی گئی۔

جب لشکر اسلام تیار ہوا تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے سامان سفر اپنے محل سے نکال کر چالیس خچروں پر لادا اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ پیدل لشکریوں نے جب دیکھا تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی باگ تھام لی اور کہا کہ ہمیں سواریاں عنایت ہوں یا آپ بھی پیدل چلیے جیسا کہ ہم لوگوں کو پیدل جہاد کی رغبت دلائی ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی گوشمالی کی اور چند ایک کو کوڑے بھی جما دیے۔ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری طرح سے چھان بین کر کے جب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو قصوروار پایا تو معزول کر دیا۔

---

(1) ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر خیبر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آ ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بعد بصرے کا گورنر بنایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کیا مگر پھر اہل کوفہ کی خواہش پر ان کو کوفے کا گورنر بنا دیا۔ جنگ جمل کے موقع پر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو جنگ سے الگ تھلگ رہنے کا مشورہ دیا تو علی رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا، پھر جنگ صفین میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم بنے (جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔) پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ چلے آئے اور وہیں فوت ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا انتقال کوفے میں 42ھ میں ہوا۔ (اسد الغابہ ج 6ص 299-300)

رعایا کی مصلحت کے لیے بیٹے کی قربانی!

عبداللہ کے بعد 912ء میں اس کا پوتا عبدالرحمٰن سوم(1) ہسپانیہ کا حکمران بنا۔ خلیفہ عبدالرحمٰن کے دو بیٹے تھے الحکم اور عبداللہ۔ دونوں قابل اور ممتاز تھے لیکن بادشاہ نے الحکم کو اپنا ولی عہد قرار دیا۔

ابن عبدالدار، عبداللہ کا ایک اولوالعزم رفیق تھا۔ اس کو خلیفہ سے اس امر کی شکایت تھی کہ اس نے اسے قاضی القضاۃ کا عہدہ نہیں دیا تھا۔ عبدالدار نے عبداللہ کو بہکایا اور اسے بغاوت پر آمادہ کیا، چنانچہ ایک نحس ساعت میں خلیفہ اور الحکم دونوں کو قتل کرنے کی خوفناک سازش کی گئی۔ عبدالرحمٰن کو بھی خبر ہوگئی۔ اس نے ایک معتبر سردار کو کافی فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ شہزادہ اپنے رفیق عبدالدار کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا۔ جب خلیفہ کے سامنے پیش ہوا تو اس سے پوچھا:

کیا اس وجہ سے آزردہ ہو کہ تم خلیفہ نہیں ہو؟

شہزادے نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بادشاہ کے حکم سے دونوں الگ الگ کمروں میں بند کردیے گئے۔ عبدالدار رات ہی رات خودکشی کر کے مر گیا۔

ادھر شہزادہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے بارے میں اس کے اپنے باپ نے فیصلہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

جب عبداللہ کے قتل کا فیصلہ ہوگیا تو اس کے بھائی الحکم نے جو ولی عہد تھا اور اپنے بھائی سے بڑی محبت رکھتا تھا، رحم کی سفارش کی۔ بادشاہ نے سفارش نامنظور کی اور اپنا تاریخی فیصلہ کچھ اس طرح سنایا:

''تمھاری سفارش اور التجا بجا ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں اور اس کی موت کو ٹھنڈے دل سے دیکھنا گوارا نہیں کرتا، لیکن میں خلیفہ ہوں، مجھے آئندہ کا خیال بھی رہنا چاہیے۔ اس کے دل کی خلش کبھی نہ جائے گی۔ میرے بعد تم دونوں ہمیشہ لڑتے رہو گے۔ تم دونوں کا انجام تو جو ہو سو ہو لیکن رعایا تباہ و برباد ہو جائے گی، کتنی مائیں اپنے بچوں کو روئیں گی، کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی اور کتنے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ ملک میں قحط سالی اور فصلوں کی تباہی دائمی بدامنی پیدا کر دے گی۔ جب ان باتوں کی طرف میرا خیال جاتا ہے تو میں کانپ اٹھتا ہوں، اس لیے ہزار ہا لوگوں کو بے خانماں، ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم بنانے کی بجائے بہتر ہے ایک ہی شخص کا، جو بانیٔ فساد ہے، خاتمہ کر دیا جائے۔''

''میں اپنے اس نوجوان فرزند کے لیے بہت روؤں گا اور جب تک زندگی ہے روتا رہوں گا، لیکن اے الحکم! نہ تمھارے آنسو، نہ میرا رونا اور نہ میرے تمام خاندان کی سفارشیں میرے اس بدقسمت بیٹے کو اس صریح جرم کی سزایابی سے بچا سکتی ہیں۔''

چنانچہ عبداللہ اسی شب کو قتل کر دیا گیا اور دوسرے دن اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوا۔ یہ واقعہ 949ء کا ہے۔

خلیفہ عبدالرحمٰن اپنے بیٹے کے غم سے کبھی فارغ نہ رہا۔ اس کا رنج و غم نامعلوم طور پر روز بروز بڑھتا گیا۔ مرنے سے ایک سال پیشتر اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آخر یہ عادل بادشاہ 961ء میں 73 سال کی عمر میں 50 برس سلطنت کر کے انتقال کر گیا۔ (2)

---

(1) خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر لدین اللہ بن محمد (300ھ ۔350ھ) امویان اندلس کا پہلا حکمران تھا جو خلیفہ کہلاتا۔ وہ ذہانت، عدل، شجاعت اور اخلاق فاضلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس

نے تخت نشین ہوتے ہی ناروا محصولات ختم کر دیے اور عیسائیوں کے خلاف کئی مہمات سر کیں، نیز مراکش کو عبیدیوں (فاطمیوں) سے بچانے کے لیے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 347ھ میں نوار کی عیسائی ملکہ طوطا اپنے بیٹے شاہ نوار اور نواسے شانجہ شاہ لیون کے ہمراہ عبدالرحمٰن کے دربار میں حاضر ہوئی تاکہ شانجہ کو لیون کی چھنی ہوئی ریاست دلانے میں خلیفہ کی مدد حاصل کرے۔ تینوں عیسائی حکمران عبدالرحمٰن الناصر کے رعب و جلال سے مبہوت ہو گئے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن النّاصر کا عہد اندلس کی حکومت اسلامیہ کا نہایت شاندار زمانہ تھا۔ امن و امان اور خوشحالی میں کوئی اندلس کا ثانی نہ تھا۔ یورپ کے تمام بادشاہوں کی مجموعی آمدنی بھی خلیفہ عبدالرحمٰن کی آمدنی کے برابر نہ تھی۔ دارالحکومت قرطبہ کی آبادی دس لاکھ تھی۔ نکاسیٔ آب، صفائی اور دلکش باغیچوں کے لیے مشہور یہ شہر وادی الکبیر (دریا) کے کنارے چوبیس میل تک پھیلا ہوا تھا۔

(''تاریخ اسلام'' از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج1 ص 150-170)

(2) دیکھیے کتاب: ناقابل فراموش واقعات (234) معمولی تصرف کے ساتھ۔

قاضی منذر کا لاجواب فیصلہ

خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر نے قرطبہ میں ایک مکان اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے خریدنا چاہا۔ وہ مکان یتیم بچوں کی ملکیت تھا جو قاضی منذر بن سعید بلوطی کی نگرانی میں تھے۔ جب قاضی کے پاس اس مکان کی خریداری کا پیغام پہنچا تو قاضی صاحب نے فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور خلیفہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ یتیموں کی جائیداد اس وقت منتقل ہو سکتی ہے جب کہ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری ہو:

1- کوئی سخت ضرورت لاحق ہو۔

2- جائیداد کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

3- ایسی قیمت ملتی ہو جس کے لینے میں یتیموں کا آئندہ فائدہ متصور ہو۔

فی الحال ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں اور ملازمینِ سرکار نے جو قیمت اس مکان کی تجویز کی ہے، وہ بہت کم ہے۔ خلیفہ یہ پیغام سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے سمجھا کہ قاضی بغیر قیمت بڑھائے نہ مانے گا۔ ادھر قاضی منذر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں خلیفہ اس مکان کو زبردستی نہ چھین لے۔ چنانچہ قاضی نے فوراً مکان منہدم کرا دیا۔ اس کے بعد ملازمین شاہی نے دگنی قیمت دے کر اس زمین کو خریدا۔ خلیفہ کو جب اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے قاضی کو بلا کر مکان کے منہدم کرانے کا سبب دریافت کیا۔

قاضی منذر نے کہا کہ جس وقت میں نے مکان کے منہدم کرنے کا حکم دیا، اس وقت میرے زیر نظر قرآن کی یہ آیت تھی:

﴿اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَآءَھُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا﴾

''کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک صحیح و سالم کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا''۔ (الکہف:79)

خلیفہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اس روز سے قاضی منذر کی زیادہ عزت کرنے لگا۔ اس واقعہ سے خلیفہ اور قاضی دونوں کی پاک باطنی کا ثبوت ملتا ہے۔ قاضی منذر 355ھ میں خلیفہ ناصر سے پانچ سال بعد فوت ہوئے تھے۔(1)

---

(1) تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ج 2 ص167,166)

چار قسم کے افراد

عباسی خلیفہ منصور ایک روز حاضرین کے سامنے کہنے لگا: میرے دروازے پر اگر چار قسم کے لوگ ہوں تو ان کے سوا کسی اور کی مجھے ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

حاضرین نے پوچھا: وہ چار قسم کے افراد کون سے ہیں اے امیر المؤمنین؟!

خلیفہ منصور نے انھیں بتانا شروع کیا: دراصل یہی چار قسم کے وہ افراد ہیں جو کسی ملک کے ارکان ہوا کرتے ہیں۔ کوئی بھی ملک ان کو نظرانداز کر کے مستحکم نہیں ہوسکتا۔ ان کی اہمیت بعینہ چار پائی کے پایوں کی سی ہے۔ اگر ایک پایہ بھی اپنی جگہ سے گر جائے تو پھر چار پائی ٹھہرتی نہیں۔ ان چار قسم کے افراد میں سے ایک وہ قاضی ہے جو صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پروانہیں ہوتی، وہ حق کی تائید میں اپنا فیصلہ ہر حال میں برقرار رکھتا ہے۔

دوسرا وہ پولیس آفیسر ہے جو کمزور کو طاقتور سے انصاف دلاتا ہے اور اپنے فرائض کی ادائیگی پوری ایمانداری کے ساتھ کرتا ہے۔ تیسرا وہ ٹیکس وصول کرنے والا ہے جو رعایا پر ظلم کیے بغیر اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد خلیفہ منصور نے اپنی شہادت کی انگلی کو تین دفعہ چبایا اور ہر مرتبہ آہ آہ کی آواز نکالی۔

درباریوں نے پوچھا: چوتھا شخص کون ہے اے امیر المؤمنین؟!

خلیفہ نے جواب دیا: چوتھا آدمی خفیہ محکمے کا وہ افسر ہے جو مذکورہ تینوں قسم کے افراد کی رپورٹوں کی تصدیق کے لیے آخری مہر ثبت کرتا ہے۔ (1)

(1) دیکھیے: تاریخ الطبری، ص 57

تجھ سا عرب نے نہیں جنا!

اصمعی (1) کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے ایک ایسے آدمی کے گھر جانے کا ارادہ کیا جس سے مجھے امیدیں وابستہ تھیں۔ جب میں اس کے دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک آدمی موجود تھا جس نے مجھے اندر جانے سے منع کر دیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا:

اے اصمعی! قسم اللہ کی! میں اس گھر کے دروازے پر اس لیے کھڑا ہوں کہ آپ جیسوں کو اس کے پاس جانے سے روک سکوں کیونکہ اس کی مالی حالت انتہائی کمزور ہو چکی ہے۔

اصمعی کا بیان ہے:

جب مجھے مذکورہ آدمی کے گھر کے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تو میں نے ایک کاغذ پر درج ذیل شعر لکھ کر دروازے پر موجود اس آدمی کو دے دیا اور کہا کہ جا کر گھر میں موجود شخص کو یہ رقعہ دے دو۔

إِذَا كَانَ الْكَرِيمُ لَه حِجَابٌ فَمَا فَضْلُ الْكَرِيمِ عَلَى اللَّئِيمِ

''جب کریم کے دروازے پر رکاوٹ کھڑی کر دی جائے تو پھر کریم (عالی ظرف) اور لئیم (کمینہ) میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟''

دروازے پر موجود اس آدمی نے رقعہ لے جا کر گھر والے کو دیا اور پھر چند لمحے بعد وہی رقعہ لے کر باہر آیا جس کی پشت پر یہ شعر لکھا ہوا تھا:

إِذَا كَانَ الْكَرِيمُ قَلِيلَ مَالٍ تَسَتَّرَ بِالْحِجَابِ عَنِ الْغَرِيمِ

''جب کریم کے پاس مال کم ہو تو پھر وہ رکاوٹ (دربان وغیرہ) کے ذریعے سے قرض خواہوں سے چھپ رہنے ہی میں عافیت دیکھتا ہے۔''

صاحبِ خانہ نے رقعے کے ساتھ ایک تھیلی بھی بھیجی جس میں پانچ سو(500) دینار تھے۔ میں نے یہ دینار دیکھتے ہی کہا:

اللہ کی قسم! میں ضرور اس بات سے امیر المؤمنین کو باخبر کروں گا، چنانچہ میں امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب امیر المؤمنین نے مجھے دیکھا تو کہا: خیر تو ہے اصمعی، کہاں سے آنا ہوا؟

میں نے عرض کی:

میں اس آدمی کے پاس سے آ رہا ہوں جو امیر المؤمنین کے بعد سارے ہی لوگوں سے زیادہ سخی اور شریف ہے۔

امیر المؤمنین نے پوچھا: کون ہے وہ شریف؟

میں نے امیر المؤمنین کی خدمت میں وہ کاغذ اور دینار کی تھیلی رکھ دی، اور سارے واقعے سے آگاہ کر دیا۔

امیر المؤمنین نے جب وہ تھیلی دیکھی تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہنے لگا:

یہ مہر بند تھیلی میرے بیت المال کی ہے۔ جس آدمی نے تمھیں یہ تھیلی دی ہے اسے میری خدمت میں حاضر کرو۔

میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے امیر المؤمنین! اس بات سے مجھے شرم آ رہی ہے کہ میں اس آدمی کو آپ کے اہلکاروں کے ذریعے سے خوف ودہشت میں مبتلا کروں۔

امیر المؤمنین نے اپنے ایک خاص آدمی کو حکم دیا کہ تم اصمعی کے ساتھ فلاں آدمی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ امیر المؤمنین تمھیں یاد کر رہے ہیں، اور ہاں! یہ بھی کہنا کہ تمھیں کسی قسم کا خوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جب وہ آدمی امیر المؤمنین کی خدمت میں لایا گیا تو امیر المؤمنین نے اس سے پوچھا:

کیا تم نے گزشتہ کل ہمارے پاس آکر یہ نہیں کہا تھا کہ تمھاری مالی حالت انتہائی خراب ہے اور تم شدید فقر ومحتاجی کا شکار ہو؟ چنانچہ ہم نے تمھیں اس تھیلی میں مال بھر کر دیا تھا؛ تاکہ تمھاری زبوں حالی کا سدِّ باب ہو۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ تم نے اصمعی کے صرف ایک شعر پر دیناروں سے بھری ہوئی وہ تھیلی اٹھا کر اس کے حوالے کر دی؟!

اس آدمی نے جواباً عرض کی:

امیر المؤمنین! قسم اللہ کی! میں نے جو اپنی زبوں حالی کا آپ سے شکوہ کیا، اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے۔

«لَكِنَّنِي اسْتَحْيَيْتُ مِنَ اللهِ أَنْ أُعِيدَ قَاصِدِي إِلاَّ كَمَا أَعَادَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ»

"لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آئی (چنانچہ میں نے فیصلہ کیا) کہ جو میرے پاس امید کے ساتھ آیا ہے، اسے میں اپنے پاس سے اسی طرح بامراد لوٹاؤں جس طرح کہ امیر المؤمنین نے مجھے بامراد لوٹایا تھا۔"

اس کی بات سن کر امیر المؤمنین نے کہا:

«لِلّٰهِ أَنْتَ فَمَا وَلَدَتِ الْعَرَبُ أَكْرَمَ مِنْكَ»

"اللہ کی قسم! تو وہ شخص ہے کہ تجھ سا کریم وسخی عرب نے نہیں جنا۔"

اس کے بعد امیر المؤمنین نے اس آدمی کو ایک ہزار (1000) دینار دینے کا حکم دیا۔

اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے امیرالمؤمنین کا یہ کرم دیکھ کر عرض کی: امیرالمؤمنین! میری طرف بھی کچھ دھیان ہونا چاہیے۔

یہ بات سن کر امیرالمؤمنین کو ہنسی آگئی اور اُنھوں نے میرے بارے میں بھی حکم فرمایا کہ اسے بھی ایک ہزار (1000) دینار عطا کیے جائیں۔

اس کے بعد امیرالمؤمنین نے اس آدمی کو اپنے خاص لوگوں میں شامل کرلیا۔(2)

---

(1) ابوسعید عبدالملک بن قُریب بن عبدالملک بن علی بن اصمع بصری حجۃ الادب، لسان العرب اور لغت کے امام تھے۔ وہ 120ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور 215ھ میں وفات پائی۔ ان کا حافظہ غضب کا تھا۔ ان کے بقول انھیں 16 ہزار شعر یاد تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج 10 ص 175-181)

(2) دیکھیے کتاب: المستجاد للتنوخی (ص: 197-198)

''سنہرے فیصلے'' کے عنوان سے زیرِ نظر کتاب میں نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نامور مسلم حکمرانوں اور قاضیانِ کرام کے وہ فیصلے شامل کیے گئے ہیں جن سے دنیا میں عدل وانصاف کی سنہری روایات قائم ہوئی ہیں اور آنے والے حکمرانوں، قاضیوں اور ججوں کو ان سے گرانقدر رہنمائی ملتی ہے۔ ان تابندہ روایات اور واقعات کو اس لیے بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں صالح اقدار پھر سے فروغ پائیں اور عوام اسلام کے انفرادی و اجتماعی عدل کی برکتوں سے مستفید ہونے لگیں۔

ISBN: 9960-9715-9-7
9 789960 971599

دارُالسّلام
کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ